جولائی 2013، قیمت -/10

ماھنامہ
بچوں کی دنیا
دھلی
Monthly **BACCHON KI DUNIYA**, New Delhi

رمضان مبارک

اس شمارے میں

ماہنامہ بچوں کی دنیا دہلی

Monthly BACCHON KI DUNIYA, New Delhi

جلد:1، شمارہ:2 جولائی 2013

مدیر کا خط	آپس کی باتیں	مدیر	2
	آیئے عہد کریں	ادارہ	3
دنیا کے مذہب	روزہ اور ہم	نصرت ظہیر	4
نظمیں	رم جھم رم جھم	امان الحق بالا پوری	8
قانون	انسانی حقوق اور بچّے	خواجہ عبدالمنتقم	9
نظمیں	چھٹیاں ختم ہوئیں	رؤف خیر	13
	چلو اسکول جانا ہے	مقصود نشتری	14
کہانیاں	روحی کا خواب	سلام بن رزاق	15
	گیدڑ بن گیا مور		16
	محنت کا چراغ	رضا جعفری	17
	کبوتر اور مدھومکھی	محمد حذیفہ صدیقی	20
	نیک نیتی	جی انیس احمد	21
	لوٹے میں ہاتھی	محمد اطہر مسعود خاں	22
کامکس	چوغے کی دعوت	ایرانی کہانی	26
	عجیب باجا	چینی کہانی	28
نظم	ایک پہیلی ایک مٹھائی	مختار ٹونکی	32
مہینے کی باتیں	جولائی کا مہینہ	ادارہ	33
مضمون	گھڑی کی کہانی	بانو سرتاج	36
	ہندوستانی ہیرے	نکہت پروین	40
رنگ برنگ	نانی کے صندوق سے	ادارہ	43
	روزہ دار بچے کی داستاں	شیون رضوی	43
	کراماتی پنکچر	فیروز بخت احمد	45
	میں نے کہا اس نے کہا	دلاور فگار	47
	اس شمارے کی تصویر	انٹرنیٹ	47
	گول گپّے	ادارہ	47
قسط وار ناول	اسّی دن کا سفر	جولز ورنے	48
آپ کے سوال	ڈاکٹر بقراط کے جواب	ادارہ	53
کھیل کھلاڑی	عقل کا کھیل: شطرنج	شبنم پروین	56
اردو ایس ایم ایس	یہ مزے مزے کی حکایتیں	ادارہ	59
دماغی ورزش	ذہنی آزمائش	ادارہ	61
آپ کی باتیں	اردو فیس بک		63
کارنامے	ملالہ اقوام متحدہ میں	ادارہ	64

مدیر اعلیٰ: ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین

نائب مدیر: ڈاکٹر عبدالحی

اعزازی مدیر: نصرت ظہیر

ناشر اور طابع:

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل، محکمۂ اعلیٰ تعلیم، حکومت ہند

مطبع: ایس نارائن اینڈ سنز، بی۔88، اوکھلا انڈسٹریل ایریا

فیز-II، نئی دہلی-110020

مقامِ اشاعت: دفتر قومی اردو کونسل

قیمت-/10 روپے، سالانہ -/100 روپے

■ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل NCPUL اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

● ڈرافٹ NCPUL, New Delhi کے نام ارسال کریں

صدر دفتر

فروغِ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا

جسولہ، نئی دہلی-110025

فون: 49539000

بچوں کی دنیا: 49539011

ای میل bachonkiduniya@ncpul.in

editor@ncpul.in

ویب سائٹ

http://www.urducouncil.nic.in

شعبۂ فروخت

ویسٹ بلاک-8، ونگ-7

آر کے پورم، نئی دہلی۔110066

فون: 26109746

شاخ: 110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس

بلاک نمبر5-1، پتھر گٹی، حیدرآباد-500002

فون: 24415194 - 040

آپس کی باتیں!

لو بھئی، گرمیوں کی چھٹیاں ختم ہوئیں۔ اب پھر وہی اسکول وہی دوست، وہی اساتذہ، وہی پلے گراؤنڈ، وہی مزے مزے کی باتیں...مگر کلاس آپ میں سے اکثر کی وہ نہیں ہوگی۔ نیا کلاس روم ہوگا، نئی بنچیں ہوں گی، نئے ڈیسک، نیا حاضری رجسٹر اور کئی کا تو اسکول بھی نیا ہوگا۔ ماحول کے اس نئے پن کا عادی ہونے میں کچھ وقت تو لگے گا ہی۔ مگر اس کے ساتھ کچھ اور نیا سامنے آئے گا۔ نئے دوست بنیں گے۔ نئے رشتے قائم ہوں گے۔ پھر جب کتابیں کھولیں گے، انھیں پڑھیں گے، اور جو کچھ پڑھا ہے اس پر اپنے ٹیچروں کی باتوں کو غور سے سنیں گے تو آپ کو محسوس ہوگا کہ آپ ہر روز نئی نئی باتیں جان رہے ہیں۔ جو کچھ آپ نے پچھلی کلاس میں پڑھا اور جانا تھا اس میں کچھ اور نیا جڑ رہا ہے۔ آنے والا ہر لمحہ ایک پل کے لیے نیا رہتا ہے اور اگلے ہی پل پرانا ہو جاتا ہے۔ یہ آتا جاتا نیا پن ہر وقت آپ کو تازہ دم رکھتا ہے۔ آگے بڑھاتا ہے۔

ایک مزے کی بات آپ یہ دیکھیں گے کہ جب بھی کسی چیز کے بارے میں کچھ نیا جاننے سے آپ کا علم بڑھتا ہے، تو کچھ نئے سوال سامنے آجاتے ہیں، اور آپ سوچنے لگتے ہیں کہ ارے، ان سوالوں کا تو مجھے اندازہ ہی نہیں تھا۔ پھر جب ان نئے سوالوں کا جواب بھی مل جاتا ہے تو ان سے کچھ اور سوال جنم لینے لگتے ہیں۔ بس اسی طرح سوال کے بٹوے سے جواب نکلتا ہے، جواب کی جیب سے سوال نکل آتے ہیں اور یہ دل چسپ سلسلہ یوں ہی چلتا رہتا ہے۔ کتاب کا ہر سبق آپ کو حیران کر دیتا ہے اور آپ یہ جان کر خوش ہوتے ہیں کہ اچھا، تو یہ معاملہ یوں ہے۔ پیارے دوستو، یہ حیرانی اور یہ خوشی ہی دراصل وہ تحفے ہیں جو ہماری کتابوں کو خوب صورت کھلونا اور پڑھائی کو ایک مزے دار کھیل بنا دیتے ہیں اور یوں آپ کا کلاس روم ایک ایسا دل چسپ پلے گراؤنڈ بن جاتا ہے جس میں اس کا بھی اندازہ نہیں رہتا کہ کب پیریڈ شروع ہوا اور کب ختم ہو گیا۔

یہ مہینہ رمضان کے روزوں کا بھی مہینہ ہے۔ لہٰذا اس مرتبہ مذہبوں والے کالم میں آپ روزوں کے بارے میں پڑھیں گے کہ الگ الگ مذہبوں میں کس طرح روزے رکھے جاتے ہیں اور روزہ رکھنے کے کیا فائدے ہیں۔ نانی کے صندوق سے بھی ایک منظوم کہانی روزہ دار بچے کی نکلی ہے جس کا ریکارڈ ہم نے تو اپنے بچپن میں سنا تھا آپ نے شاید نہ سنا ہو۔ اس دفعہ ہم نے مزے دار ایس ایم ایس کا بھی ایک سلسلہ شروع کیا ہے، جو امید ہے آپ کو ضرور پسند آئے گا۔ فی الحال یہ ایس ایم ایس پیغام ہم نے یہاں وہاں سے اکٹھے کیے ہیں، آگے ہماری خواہش ہے کہ آپ خود اپنے موبائل فون پر ملنے والے اپنے دوستوں کے مزے دار ایس ایم ایس پیغام کاغذ پر لکھ کر ڈاک سے یا ای میل سے ہمیں بھیجا کریں، ہم انھیں آپ کے نام اور تصویر کے ساتھ اس کالم میں شامل کر لیں گے۔ کہیے، کیسا آئیڈیا ہے!

(ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین)

آیئے عہد کریں...

ہمالیہ کی گود میں پھیلی اور پلی ہوئی ہماری خوب صورت ریاست اتراکھنڈ میں پچھلے دنوں جو تباہی آئی اس نے پوری قوم کا دل دہلا دیا ہے۔ ہزاروں لوگوں کی موت اور بہت بڑے پیمانے پر مکانوں، دوکانوں، ہوٹلوں، سڑکوں اور پلوں کی تباہی نے پردیش کو برسوں پیچھے پہنچا دیا۔ اچانک تیز بارش اور بادلوں کے پھٹنے سے، پہاڑی ندیوں میں جو غضب ناک سیلاب آیا، اور یہ سیلاب اپنے راستے میں آنے والی تمام بستیوں کو جس طرح اجاڑتا اور ندیوں کے کناروں پر بنی ہوئی ہر عمارت کو تہس نہس کرتا چلا گیا اس نے قدرتی ماحول کے ساتھ ہماری چھیڑ چھاڑ پر ہمیں زور کا طمانچہ رسید کیا ہے۔ آیئے ہم سب عہد کریں کہ اتراکھنڈ کے مصیبت زدہ بھائیوں کی ہر ممکن مدد کریں گے اور قدرت کے پیدا کئے ہوئے ماحول میں کسی طرح کا دخل نہیں دیں گے۔ اس کے ساتھ ہم اپنی فوج کے ان جوانوں کو سلام کرتے ہیں جنھوں نے اپنی جان پر کھیل کر ایک لاکھ سے زیادہ پھنسے ہوئے لوگوں کی جانیں بچائی۔ اس بے مثال آپریشن میں شہید ہونے والے اپنے جوانوں کے احترام میں ہم سر جھکاتے ہیں، اور ان سبھی تیرتھ یاتریوں کے لیے گہرے غم کا اظہار کرتے ہیں جن کے لیے اتراکھنڈ کا یہ سفر آخری سفر ثابت ہوا۔ ادارہ

جامع مسجد دہلی کے صحن میں روزہ افطار کا ایک منظ

روزہ اور ہم

نصرت ظہیر

پیارے بچو، رمضان کا مہینہ کیا آیا ہے پورا ماحول ہی جیسے بدل گیا ہے۔ بازاروں، خاص طور سے مسلم بستیوں میں ان دنوں جو رونق اور گہما گہمی اور لوگوں کے چہروں پر جو نورانی کیفیت اس مہینے میں آجاتی ہے، اس کی بات ہی کچھ اور ہے۔ مسجدوں میں نمازیوں کی بھیڑ، میناروں اور گنبدوں کی سجاوٹ، گھر گھر میں تلاوت قرآن مجید کی مبارک آوازیں، سحری اور افطاری کی تیاریاں، باقی مہینوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ سامان سے بھری اور سجی ہوئی دوکانیں، کھجوروں، سوئیوں، سھجلے پھینی اور جلیبی کی دوکانوں پر خریداروں کا ہجوم...غرض رمضان کا کوئی ایک دن نہیں بلکہ پورا مہینہ ہی ایک تہوار کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ روزہ رکھنا جن پر مذہب اسلام میں فرض ہے، وہ تو اس مہینے کی خوشیاں بٹورتے ہی ہیں، بچّوں کے لیے بھی یہ مہینہ بہت سی خوشیاں، برکتیں، رحمتیں اور نعمتیں لاتا ہے اور انھیں ایک صاف ستھرے، پاکیزہ ماحول کی اہمیت کو سمجھنے کا موقع دیتا ہے۔ روزے دنیا کے اور مذہبوں میں بھی ہیں لیکن جو رونق، عبادت کا جوشوق اور روزے کا جو احترام رمضان کے مبارک مہینے میں دیکھنے کو ملتا وہ اپنے آپ میں ایک مثال ہے۔

روزہ، فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں دن بھر یعنی صبح کی شروعات سے جسے صبح صادق کہتے ہیں شام کو سورج کے ڈوبنے تک کھانا پینا چھوڑ دینا۔ عربی زبان میں اس کے لیے صوم کا لفظ ہے اس لیے رمضان کے مہینے کو ماہِ صیام بھی کہتے ہیں جس میں صِیام دراصل صوم کی جمع ہے۔ مذہب اسلام میں روزہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے اور اس کا درجہ فرض کا ہے۔ یعنی جس طرح مسلمانوں پر خدا اور رسولؐ پر ایمان لانا، نماز پڑھنا، ، زکوٰۃ دینا، اور زندگی میں کم از کم ایک بار حج کرنا فرض ہے اسی طرح روزہ رکھنا بھی فرض ہے۔

دنیا کے تقریباً تمام مذہبوں میں روزہ کسی نہ کسی شکل میں رائج ہے۔ بلکہ مسلمانوں کا تو عقیدہ ہے کہ خدا نے ہر ملک اور ہر قوم میں روزہ اتارا ہے۔ قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر ہے۔ روزہ، مقررہ وقت کے لیے کھانے یا پینے یا دونوں سے پرہیز رکھنے، اپنے برتاؤ میں صفائی

اور پاکیزگی لانے اور اپنے معبود کی عبادت کرنے کا دوسرا نام ہے جس سے انسان کی جسمانی، روحانی اور اخلاقی صحت اچھی رہتی ہے۔ ایک روزہ خاموش رہنے کا بھی ہوتا ہے، جس میں لوگ کچھ وقت کے لیے مکمل خاموشی اختیار کر لیتے ہیں۔ کچھ مذہبوں اور عقیدوں میں لوگ صرف کھانے یا پینے کا روزہ رکھتے ہیں۔ کچھ صرف اناج، یا پانی کا روزہ رکھتے ہیں جس میں کسی بھی طرح کے اناج سے بنی ہوئی کوئی چیز نہیں کھائی جاتی۔ یا پھر سب کچھ کھا سکتے ہیں لیکن پانی یا دوسرے مشروب نہیں پی سکتے۔ دراصل انسان کو روحانی اور جسمانی دونوں پہلوؤں سے مضبوط کرنا ان تمام روزوں کا بنیادی مقصد ہے۔

حکیم اور ڈاکٹر روزہ رکھنے کی پرزور سفارش کرتے ہیں۔ روزہ رکھنے سے انسان میں ارادہ کرنے اور اس کو عملی شکل دینے کی طاقت تو بڑھتی ہی ہے بہت سے جسمانی فائدے بھی ہوتے ہیں۔ سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ انسان کے جسم میں کیلوریز calories یا حراروں کی تقسیم کے لحاظ سے روزہ آدمی کی صحت کو بے حد فائدہ پہنچاتا ہے۔ اس سے کینسر، دل کی بیماریوں اور شوگر کی بیماری ضیابیطس Diabetes کا خطرہ کم ہوجاتا ہے، آدمی کی عمر بڑھتی ہے، جسمانی اعضا مضبوط ہوتے ہیں، ان کے کام کرنے کی صلاحیت بڑھتی ہے، برداشت کرنے کی طاقت میں اضافہ ہوتا ہے۔ حال ہی میں متحدہ عرب امارات میں ڈاکٹروں کی ایک ٹیم نے بہت سے لوگوں کے میڈیکل ٹیسٹ کرنے کے بعد پایا کہ رمضان کے دنوں میں ان کا لپڈ پروفائل Lipid Profile بہتر ہو جاتا ہے جو دراصل انسانی جسم میں چربی کی مقدار

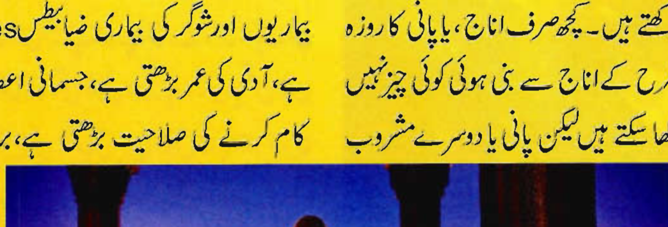

جامع مسجد میں روزہ دار لڑکیاں نماز پڑھتے ہوئے۔ تصویر بشکریہ، کیون فریئر

شادی شدہ ہندو خواتین اپنے شوہر کی خوش حالی کے لیے کرواچوتھ کا برت رکھتی ہیں، جو رات میں کسی چھلنی سے چاند کو دیکھ کر کھولا جاتا ہے

معلوم کرنے کا طبی ٹیسٹ ہے۔ اس مہینے میں خون میں کولیسٹرول کی مقدار گھٹ جاتی ہے جو دل کی بیماریوں کا ایک بڑا سبب مانا جاتا ہے۔

لیکن بعض صورتوں میں روزہ انسانی صحت کے لیے نقصان دہ بھی ہو جاتا ہے۔ خاص طور سے مریضوں کے لیے۔ چنانچہ اسلام میں مریضوں کو روزہ رکھنے سے منع کیا گیا ہے۔ یہی نہیں اگر روزے کے دوران کوئی جسمانی گڑبڑ شروع ہو جائے اور دوا کھانا ضروری ہو تو روزہ توڑنے کی ہدایت بھی دی گئی ہے۔ روزے کے دنوں میں بے احتیاطی کے ساتھ افطار یا سحر کے اوقات میں اناپ شناپ کھاتے رہنا، ایک ہی وقت طرح طرح کی کئی چیزیں کھالینا، تلی ہوئی اور زیادہ تیل یا گھی میں پکی ہوئی چیزیں زیادہ کھانا کئی طرح کی جسمانی پریشانیوں میں مبتلا کر دیتا ہے جس سے روزے کا اصل مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔

اسلام میں روزے کو جو اہمیت حاصل ہے اس کے بارے میں آپ بہت کچھ جانتے ہی ہوں گے اب آیئے دنیا کے دوسرے مذہبوں کے روزوں کا جائزہ لیتے ہیں۔

بہائی عقیدہ: ایران سے شروع ہونے والے اس مذہب یا عقیدے کے بانی حضرت بہاالدین تھے، جن کے پیروکاروں پر 15 سال کی عمر سے 70 برس کی عمر تک سورج نکلنے سے سورج ڈوبنے تک روزہ رکھنا فرض ہے۔ یہ روزے بہائی مہینے 'علا' Ala میں (2 مارچ سے 20 مارچ تک) رکھے جاتے ہیں۔ ان میں کچھ بھی کھایا پیا نہیں جاتا۔ البتہ دوا کھانے کی اجازت ہوتی ہے۔ بیماروں اور سخت جسمانی محنت کرنے والے مزدوروں وغیرہ کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ بھوک لگنے پر عام لوگوں سے چھپ کر اور عام دنوں کے مقابلے میں کم مقدار میں کھانا کھا سکتے ہیں۔

بدھ مذہب: اس مذہب میں وِنایا Vinaya کے ضابطوں کو ماننے والے بودھ بھکشو اور راہبائیں، شام یا رات کا کھانا نہیں کھاتے۔ اس مذہب کے بانی گوتم بدھ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ دوپہر کے بعد کچھ نہیں کھاتے تھے۔ لیکن اسے روزہ نہیں بلکہ زندگی کا عام ضابطہ مانا جاتا ہے۔ عام بودھ عقیدت مند گہرے گیان دھیان کے دوران فاقہ کشی کرتے ہیں اور اسی کو ان کا روزہ یا برت کہا جا سکتا ہے۔

عیسائیت Christianity: عیسائیوں کے کئی فرقوں میں روزہ رکھا جاتا ہے لیکن کچھ فرقے روزے کو نہیں مانتے۔ کیتھولک چرچ اور

امریکہ میں یہودی یوم کفارہ کا لازمی روزہ کھولنے سے پہلے دعا کرتے ہوئے

ایسٹرن آرتھوڈوکس چرچ کے عیسائی ایسٹر سے پہلے کے چالیس دنوں میں روزہ رکھتے ہیں۔ ایتھیو پیائی آرتھوڈوکس چرچ کے پیروکار بھی روزہ رکھنے والوں میں شامل ہیں۔ ان فرقوں میں سے کچھ جزوی روزہ رکھتے ہیں۔ مثلاً ایتھیو پیائی چرچ والے عیسائی ان چالیس دنوں میں گوشت اور دودھ کا استعمال نہیں کرتے۔ بائبل میں کفارے کے دن پورے چوبیس گھنٹوں کے ایک روزے کا ذکر ہے جس میں کچھ بھی کھایا پیا نہیں جاتا۔ رومن کیتھولک عیسائی بھی روزہ رکھتے ہیں لیکن اس کے ضابطے تھوڑے سے پیچیدہ ہیں۔ ان میں گوشت بالکل نہ کھانے یا کچھ

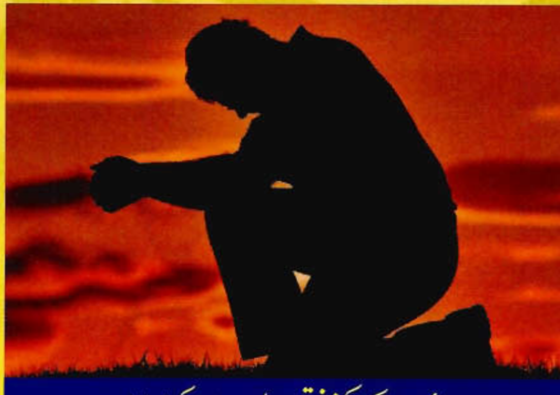

عیسائیوں کے اکثر فرقوں میں روزہ رکھا جاتا ہے

کم کھانے کی ہدایات شامل ہیں۔ پوپ پائس بارہویں نے 1956 میں اور پوپ پال نے 1966 میں ان ضابطوں میں کچھ ترمیم کر دی تھی۔ پروٹسٹنٹ عیسائی روزے میں یقین نہیں رکھتے۔ ان کے پیشوا حضرت مارٹن لوتھر نے کہا تھا کہ روزہ رکھنا یا نہ رکھنا انسان کا ذاتی معاملہ ہے جس کے لیے وہ جو بھی وقت چاہے چن سکتا ہے۔

ہندو دھرم: روزہ یا برت ہندو دھرم کا بہت خاص حصہ ہے۔ مختلف عقیدے رکھنے والے ہندو اپنے اپنے عقیدے کے حساب سے الگ الگ طرح کے روزے رکھتے ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں:

• کچھ ہندو ایکادشی، پرادوشا اور پورنیما کے روزے رکھتے ہیں۔

• بعض ہندو اپنے دیوی دیوتاؤں کے حساب سے برت رکھتے ہیں۔ مثلاً شو جی مہاراج کے عقیدت مند پیر یا سوم وار کا، وشنو جی کے عقیدت مند ہر جمعرات یا برہسپتی وار کو اور ایاپا جی کے شردھالو، ہرشنی وار یا سنیچر کو برت رکھتے ہیں۔

• پورے ہندوستان، خاص طور سے جنوبی ہند میں ہندو منگل کا برت رکھتے ہیں۔ جنوبی ہند میں یہ برت دیوی مری یما کی خوشنودی کے لیے رکھا جاتا ہے جو شکتی کی دیوی ہیں اور شمال کے ہندو ہنومان جی کے نام پر روزے سے رہتے ہیں جس میں طلوع آفتاب سے غروب آفتاب کے دوران دودھ اور پھلوں کے سوا کچھ نہیں کھایا جاتا۔

• مہا شوراتری کے موقع پر ہندو 9 دنوں تک برت رکھتے ہیں جنھیں نوراترے کہا جاتا ہے۔ بعض عقیدت مند ہندو ان روزوں میں پانی نہیں پیتے ہیں۔

• ایک سخت برت کروا چوتھ کا ہوتا ہے جو ہندو عورتیں اپنے شوہروں کی خوش حالی کے لیے رکھتی ہیں اور جو رات کو چھلنی کے سوراخوں سے چاند کو دیکھ کر توڑا جاتا ہے۔

یہودیت: عام طور پر یہودی سال میں چھ دن روزہ رکھتے ہیں۔ یہودیوں کے یہاں روزے کا مطلب عام طور پر کچھ بھی نہ پینا ہوتا جس میں دودھ شراب اور پانی شامل ہے۔ یوم کفارہ Yom Kippur کے روزے کو جو کہ یہودی سال کے دسویں دن آتا ہے، یہودیوں کے مذہب میں اتنی زیادہ اہمیت حاصل ہے کہ صرف ان لوگوں کو روزے سے چھوٹ دی گئی ہے جنھیں اس سے موت کا خطرہ ہو۔

سکھ دھرم: اس مذہب میں روزہ یا برت نہیں ہے۔ سکھوں کی مقدس کتاب گرو گرنتھ صاحب میں کہا گیا ہے کہ خود کو بھوکا رکھنے یا تکلیف دینے سے سکھ نہیں ملتا۔ اس مذہب میں خدا اور انسانوں کی خدمت پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔

بودھ بھکشو صرف ایک وقت کا کھانا کھاتے ہیں وہ بھی صرف دن میں

وشنو دھرم، جین دھرم اور چین کے تاؤ ازم مذہب میں بھی روزے یا برت کا اہتمام ہے، اور ان سبھی روزوں کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ انسان سب کے دکھ درد کو سمجھے، اپنی زندگی کو سدھارے اور اس دنیا کو ایک بہتر دنیا میں تبدیل کرنے کے حالات پیدا کر سکے۔■■

nusratzaheer@gmail.com

امان الحق بالاپوری

رم جھم رم جھم

سر سر سر سر ہوا چلے اور برسے ٹھنڈا پانی
رم جھم، رم جھم برساتوں میں بھیگے گڑیا رانی
گھر گھر گھر گھر بادل آئیں چھائے گھٹا گھنگور
چوں چوں چوں چوں چڑیاں چہکیں بن میں ناچیں مور
کڑ کڑ کڑ کڑ بجلی کڑکے بادل گرج دکھائے
سورج آنکھ مچولی کھیلے نکلے اور چھپ جائے
جھل مل جھل مل کرتے تارے ہوں آنکھوں سے اوجھل
نیل گگن پر چھائیں اب کالے کالے بادل
ٹپ ٹپ ٹپ ٹپ بوندیں برسیں کردیں دھرتی جل تھل
کاغذ کی اک ناؤ بنائیں اور تیرائیں پل پل
کل کل کل کل جھرنا بولے چلے کہیں پروائی
پھول کھلے ہوں باغوں میں دھرتی پر ہو ہریالی
چٹ چٹ چٹ چٹ کلیاں چٹکیں گل شاخوں پر آئیں
اترائے باغوں میں تتلی اور بھنورے منڈلائیں
کو کو کو کو کوئل بولے گیت پپیہا گائے
انساں حیواں پنچھی سب کو خوب یہ موسم بھائے

امان الحق بالاپوری
جولی بیس بالاپور ضلع اکولہ، مہاراشٹر۔444302

■ خواجہ عبدالمنتقم

دوستو، یوں تو یہ مضمون اُن بڑے بچّوں کے لیے ہے جو پانچویں چھٹی یا آگے کی کلاسوں میں پڑھ رہے ہیں لیکن اسے پڑھ کر اُن سب بچوں کا علم بڑھے گا جو قانون کی باتیں جاننے یا اس دنیا کو زیادہ بہتر طور پر سمجھنے میں دل چسپی رکھتے ہیں۔ پروفیسر خواجہ عبدالمنتقم صاحب جن کا نام تمھیں تھوڑا سا مشکل لگے گا، قانون کے بڑے اچھے استاد ہیں۔ انسانوں کے حقوق سے تعلق رکھنے والے دنیا کے اہم ادارے 'انسانی حقوق سوسائٹی' کے مستقل ممبر ہیں اور انسانی حقوق کے بارے میں کئی کتابیں لکھ چکے ہیں۔ یہ مضمون اُستاد اور شاگردوں کی بات چیت کے انداز میں لکھا گیا ہے۔ اس میں انھوں نے بہت آسان لفظوں میں یہ سمجھایا ہے کہ انسانوں کو اور ان کے بچّوں کو کیا کیا حق حاصل ہیں۔ ادارہ

شاگرد استاد سے: جناب والا انسانی حقوق Human Rights کسے کہتے ہیں؟

استاد شاگرد سے: ہر وہ شخص جو اس دنیا میں آیا ہے، لڑکا ہو یا لڑکی، مرد ہو یا عورت، ہندوستانی ہو یا کسی دوسرے ملک کا رہنے والا، کوئی بھی زبان بولتا ہو، کسی بھی مذہب کا ماننے والا ہو یا اس کا کوئی بھی عقیدہ ہو اسے کچھ بنیادی انسانی حق حاصل ہوتے ہیں۔

وہ کون سے حقوق ہیں؟

سب سے پہلا حق ہے انسان کو زندہ رہنے اور عزت کی زندگی گزارنے کا حق۔ اگر کوئی بچہ اس دنیا میں آیا ہے تو اس کا یہ حق ہے کہ وہ بچپن سے جوانی کی حدود میں داخل ہو اور اس کے بعد زندگی کی منزلیں طے کرتا ہوا بڑھاپے تک پہنچے۔ کسی بھی شخص کو یہ حق نہیں ہے کہ اس کے اس حق کو چھین سکے۔ کسی کو بھی کلی کو پھول بننے سے پہلے اسے توڑنے کا حق حاصل نہیں...

پھر بھی کبھی کبھی ہمیں ٹیلی ویژن پر یہ سننے ملتا ہے کہ لڑائی جھگڑے میں بہت سے بے گناہ بچے مارے گئے، ایسا کیوں؟

آپ نے بالکل صحیح کہا۔ ایسا کرنے والے تمام لوگوں کو سزا ملنی چاہیے۔

کبھی کبھی یہ سننے میں بھی آتا ہے کہ کچھ لوگ بیٹی کو پیدا ہونے سے پہلے ہی یا پیدا ہونے کے فوراً بعد مار دیتے ہیں؟ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟

یہ لوگ مرد اور عورت میں فرق کرتے ہیں۔ ایک اچھے اور شریف سماج میں اور قانون کی نظر میں مرد اور عورت میں فرق نہیں کیا جاتا۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ بچوں کا نہیں بلکہ انسانیت کا قتل کرتے ہیں۔

جناب عالی کبھی کبھی سننے میں آتا ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچوں پر زیادتیاں ہوتی ہیں اور ان سے مزدوری کرائی جاتی ہے ایسا کیوں؟

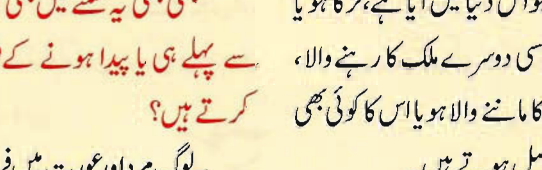

یہ بات بھی بالکل صحیح ہے۔ ایسے لوگوں کو سخت سے سخت سزا ملنی چاہیے۔ ہمارے ملک میں اور باقی تقریباً تمام ملکوں میں بچہ مزدوری کے خلاف قانون موجود ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے کہ جن بچوں کی صحیح جگہ اسکول ہے ان سے مزدوری کرائی جائے۔ کئی بچے بچیوں کو لوگ گھروں

میں نوکروں کی طرح رکھ لیتے ہیں یہ بھی غیر قانونی ہے۔

جناب والا ہم اپنی کتابوں میں بار بار پڑھتے ہیں اور لوگوں سے یہ سنتے ہیں کہ تمام انسان برابر ہیں تو پھر چھوٹے بڑے کا فرق کیوں؟

یہ بنیادی انسانی حق ہے کہ تمام انسانوں کو برابر سمجھا جائے اور ان کے ساتھ نسل، جنس، مذہب، زبان، سماجی حیثیت یا کسی بھی بنیاد پر کوئی بھید بھاؤ نہ ہو۔

اگر ایسا ہے تو ہمارے ملک میں امیروں اور غریبوں میں اتنا فرق کیوں؟

حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ ایسے قدم اٹھائے جن سے غریبوں اور امیروں کے بیچ فرق کم سے کم ہو سکے اور تمام لوگوں کو زندگی کی ضروری سہولتیں میسر ہوں جیسے رہنے کے لیے مکان، کھانے کے لیے اچھا کھانا، پہننے کے لیے اچھے کپڑے، کھیلنے کے لیے اچھا میدان، پڑھنے کے لیے اچھے اسکول وغیرہ یہ سب باتیں انسانی حقوق میں شامل ہیں۔ ہمارے ملک کی سب سے بڑی عدالت جسے ہم سپریم کورٹ کہتے ہیں وہ بھی یہ کہہ چکی ہے کہ ذلت کی زندگی کوئی زندگی نہیں ہے۔ سرکار اپنا فرض نبھا بھی رہی ہے۔

جناب والا کیا مردوں اور عورتوں کو برابر کے حق حاصل ہیں؟

بالکل۔ عورتوں اور مردوں کے حق برابر کے ہیں۔ کسی کے ساتھ کوئی بھید بھاؤ نہیں کیا جا سکتا۔

تو پھر عورتوں کے ساتھ کیوں زیادتی ہوتی ہے؟

ایسا کرنا بالکل غلط ہے۔ ہر عورت کسی نہ کسی کی بیٹی ماں بیوی یا بہن ہے۔ عورت کے ساتھ برا سلوک کرنے والے کو سزا ملنی چاہیے۔ ہمارے ملک میں عورتوں کی حفاظت کے بہت سے قانون بنائے گئے ہیں اور ہندوستان کا آئین Constitution بھی ان کا محافظ ہے۔

جناب والا کیا انسانی حقوق کے لحاظ سے تمام مذاہب برابر ہیں اور ان پر عمل کرنے کی سب کو مکمل آزادی ہے؟

یہ بات بالکل صحیح ہے۔ ہمارے آئین کے مطابق اور انسانی حقوق کی دستاویزات کے مطابق بھی کسی بھی مذہب کو ماننے، کوئی بھی عقیدہ اپنانے اور اس کی تبلیغ کرنے کا حق حاصل ہے۔ مگر ہمیں کوئی بھی کام ایسا نہیں کرنا چاہیے جس سے کسی بھی دوسرے مذہب کے ماننے والے کو کوئی تکلیف پہنچے یا اس کی عبادت، پوجا یا اُپاسنا میں کوئی روکاوٹ پڑے۔ ہر شخص کو اپنے اپنے مذہب پر اپنے طریقے سے چلنے کا حق ہے۔

تو پھر مذہب کے نام پر جھگڑے فساد کیوں ہوتے ہیں؟

ایسا کرنے والے عوام اور ملک دونوں کے دشمن ہیں مگر ہمیں ایسے لوگوں سے بھی نفرت

نہیں کرنی چاہیے۔ بلکہ ان سے میل ملاپ رکھنا چاہیے، ان کی غلط فہمیاں دور کرنی چاہئیں اور انہیں سمجھانا چاہیے کہ ایسا کرنا ان کے اپنے، عوام کے اور ملک کے حق میں نہیں ہے۔ ہم سب آدم وحوا کی اولاد ہیں اور دنیا کے تمام انسان ایک قوم ہیں۔

اگر سب انسان ایک قوم ہیں تو ملک الگ الگ کیوں؟

ملک انسانوں نے اپنے اپنے علاقے کی پہچان کے لیے بنائے ہیں۔ قدرت نے ہمیں ایک ہی ملک دیا ہے اور وہ ملک ہے یہ زمین۔ اس طرح ساری دنیا دراصل ایک ہی خاندان ہے۔

جناب والا ہم اکثر یہ سنتے ہیں کہ ظلم کا مقابلہ کرو اور ظالم کا ساتھ نہ دو۔ کیا یہ صحیح ہے؟

بالکل۔ لیکن ظلم کا مقابلہ ظلم سے نہیں محبت سے اور قانونی طریقوں سے کرنا چاہیے۔ کسی بھی انسان کو تشدد اور ظلم کا نشانہ نہیں بنایا جاسکتا اور کسی کے ساتھ غیر انسانی اور ذلت والا سلوک نہیں کیا جاسکتا۔ نہ صرف یہ بلکہ کسی بھی شخص کو ایسی سزا نہیں دی جاسکتی جو ذلت آمیز ہو یا جس سے انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہوتی ہو۔

تو پھر بہت سے قیدیوں اور جیل میں بند ہونے والے لوگوں کے ساتھ زیادتیاں کیوں کی جاتی ہیں؟

جو بھی ایسا کرتا ہے غلط کرتا ہے۔ اسے اس کی سزا ملتی ہے اور ملنی ہی چاہیے۔ کسی پر ظلم کرنا انسانی حقوق کے خلاف ہے، چاہے وہ مجرم ہی کیوں نہ ہو۔

جناب والا کیا ہر شخص کو اس بات کی آزادی ہے کہ وہ کسی بھی معاملے میں اپنی کوئی رائے قائم کر سکے اور اس کا اظہار کر سکے؟

یہ ہر شخص کا بنیادی حق بلکہ ایک بہت ہی اہم انسانی حق ہے کہ وہ کوئی رائے قائم کر سکے اور اپنے خیالات سامنے لا سکے۔

جناب والا ہمارے ملک میں اتنی بہت سی یونیورسٹیاں، کالج اور اسکول موجود ہیں پھر بھی بہت سے لوگوں کو تعلیم کا موقع نہیں ملتا اس کی کیا وجہ ہے؟

تعلیم ہر شخص کا بنیادی حق ہے۔ ماں باپ کا فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں کو اسکول بھیجیں۔

تو پھر غریبوں کے بچے کیوں نہیں پڑھ پاتے اور ڈاکٹر یا انجینئر کیوں نہیں بن پاتے؟

یہ حکومت کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کو باقی لوگوں کے برابر لانے کے لیے ضروری انتظام کرے جو کہ وہ کر بھی رہی ہے۔ تعلیم کو حکومت نے ہر بچے کا بنیادی حق بنا دیا ہے، جس سے غریب بچوں کو بھی تعلیم

کا پورا موقع ملے گا۔

جناب والا کیا آپ یہ بتانے کی زحمت کریں گے کہ انسانی حقوق کے تحت مادری زبان کی کیا اہمیت ہے؟

ہر بچے کو اس کی مادری زبان میں پرائمری تعلیم دینے کا انتظام کرنا ہر حکومت کا فرض اور ذمہ داری ہے۔

جناب والا کیا انسانی حقوق کا تعلق صرف انسانوں سے ہی ہے؟

ایسا نہیں ہے۔ ہمارے پیڑ پودے، ہمارا ماحول، ہماری عبادت گاہیں، ہمارے رہن سہن یہاں تک کہ قبرستان اور شمسان گھاٹ بھی انسانی حقوق سے جڑے ہوئے ہیں۔ مگر یہ بات دوسری ہے کہ وہ خود اپنی حفاظت نہیں کر سکتے اور یہ کام قانون کی مدد سے ان کے لیے انسان کرتے ہیں۔

بچہ مزدوری غیر قانونی ہے اور ایسے سبھی بچوں کو اب تعلیم کا حق حاصل ہے

جناب والا کیا جانوروں کے بھی کچھ حق ہیں؟

سیدھے طور پر تو نہیں لیکن اور لوگ ان کی حفاظت کے لیے سامنے آسکتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہمارے ملک کی حکومت نے جانوروں کے ساتھ کسی بھی قسم کا ظلم یا زیادتی کرنے کے خلاف قانون بنا رکھا ہے۔ ویسے بھی جانوروں کے ساتھ کوئی ظالمانہ سلوک نہیں کیا جا سکتا۔ انگلستان میں تو جانوروں کے ساتھ ظلم و زیادتی کو روکنے

کے لیے بنائی گئی رائل کمیٹی نے اس بات کی بھی سفارش کی ہے کہ جانوروں کو بھی بنیادی انسانی حقوق عطا کیے جانے چاہیے جیسے اچھے کھانے کا حق، اپنے جذبات کے اظہار کا حق، آرام کا حق وغیرہ۔ مگر بہت افسوس کی بات ہے کہ آج بہت سے لوگ انسانوں کے ساتھ بھی جانوروں جیسا سلوک کرتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جانوروں کے ساتھ بھی انسانوں جیسا سلوک کیا جانا چاہیے۔

ہمارے والدین اکثر ہمیں ٹیلی ویژن پر کئی پروگرام دیکھنے سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ فحش ہیں یا بڑوں کے لیے ہیں۔ کیا یہ ہم بچوں کے ساتھ زیادتی نہیں؟

آپ ٹی وی پروگرام اور فلمیں اپنی عمر کے حساب سے دیکھ سکتے ہیں لیکن اگر آپ مناسب حدوں کو پار کریں گے تو آپ کا ہی نقصان ہوگا۔ ٹیلی ویژن پر ہر قسم کی چیزیں دکھائی جاتی ہیں اور یہ کام آپ کا ہے کہ آپ صرف ایسے پروگرام دیکھیں جو آپ کے لیے مفید ہوں البتہ ماں باپ کو اپنے علم اور تجربے کی بنیاد پر آپ کو یہ نصیحت کرنے کا حق ضرور حاصل ہے کہ کون سی چیز یا کون سا کام آپ کے لیے اچھا ہے یا برا۔

جناب والا آپ نے جو کچھ ہمیں بتایا، یہ سب کہاں لکھا ہے؟

اس میں سے زیادہ تر باتیں خود ہمارے آئین میں موجود ہیں اور بہت سی باتیں جن میں سے کچھ کا ہم نے یہاں ذکر کیا ہے اقوام متحدہ United Nations Organisation یعنی یو این او کی انسانی حقوق سے متعلق دستاویزات میں موجود ہیں۔

پروفیسر خواجہ عبدالمنتقم
ایچ 3 دھرما اپارٹمنٹ 2، آئی پی ایکسٹینشن، دہلی۔110092

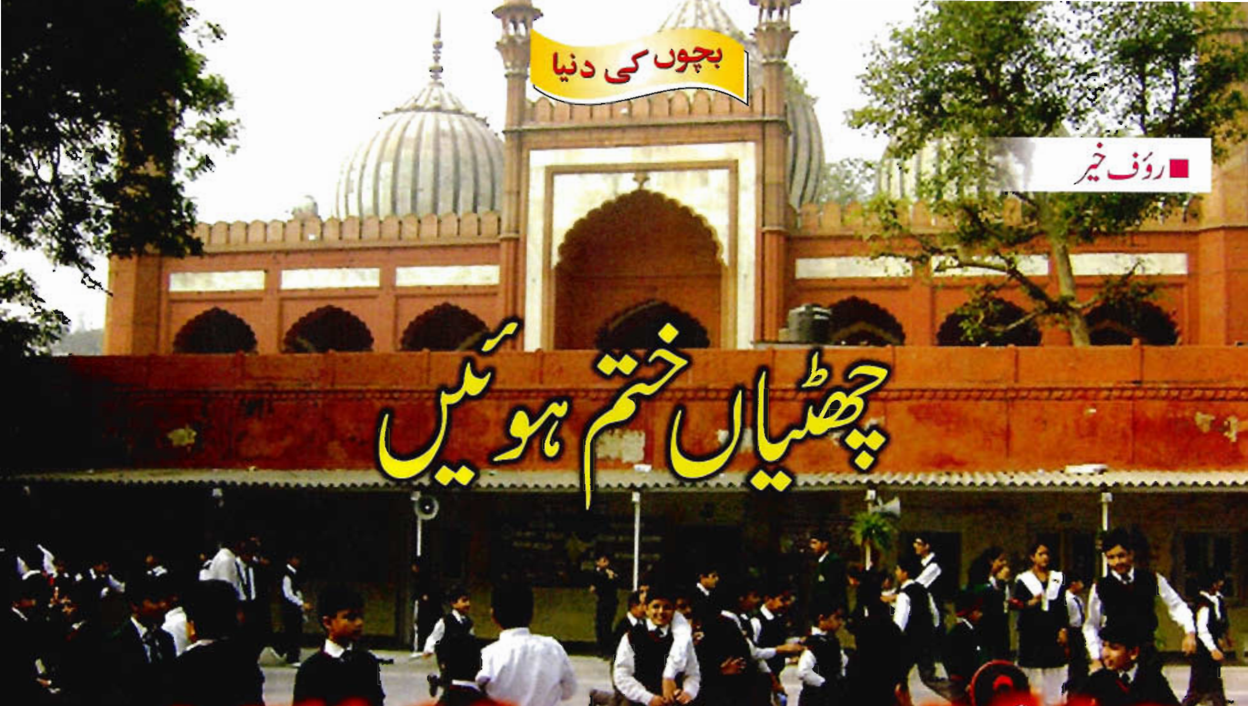

■ رؤف خیر

چھٹیاں ختم ہوئیں

چھٹیاں ختم ہوگئیں آخر
پھر وہی مدرسہ وہی ہم ہیں
پھر قلم کاپیاں کتابیں پھر
پھر وہی سلسلہ وہی ہم ہیں

پھر وہی بوجھ پیٹھ پر بھاری
پھر وہی بس ہے پھر وہی بستے
پھر وہی انتظار کی صورت
پھر وہی منزلیں وہی رستے

پھر وہی والدین کی الجھن
پھر وہی ٹیچروں کی استادی
پھر وہی ٹیسٹ پھر وہی ٹینشن
پھر چنے سامنے ہیں فولادی

چھٹیوں میں یہ بھول بیٹھے تھے
اور بھی امتحان ہیں آگے
زندگی کھیل کا نہیں میداں
اور بھی کچھ جہان ہیں آگے

یہ چھٹیوں کا دور بھی کیسا عجیب تھا
کیسے گزر گیا، یہ پتہ ہی نہیں چلا
راتیں بڑی حسین تھیں ٹی وی کی نذر تھیں
اور دن تمام کھیل کے میدان میں کٹا

اپنی خوشی سے چین سے سوتے تھے رات کو
یہ اور بات وقت پہ کھاتے نہیں تھے ہم
مرضی سے جی رہے تھے بلا روک ٹوک ہی
سچ ہے کہ روز روز نہاتے نہیں تھے ہم

یہ بھی ہوا کہ ڈانٹ پڑی والدین کی
بھائی خفا ہوا تو بہن روٹھ بھی گئی
دشمن قریب آگئے کچھ دوست کھل گئے
یوں دوستوں کی دوستی کچھ چھوٹ بھی گئی

اب مدرسے نے یاد دلایا کہ رات دن
ہوتے نہیں ہیں رائیگاں کرنے کے واسطے
ہر ہر قدم پہ خیر ہزار امتحان ہیں
اچھا ہوا کہ گرنے سے پہلے سنبھل گئے

رؤف خیر موتی محل، گولکنڈہ

■ مقصود نشتری

چلو اسکول جانا ہے

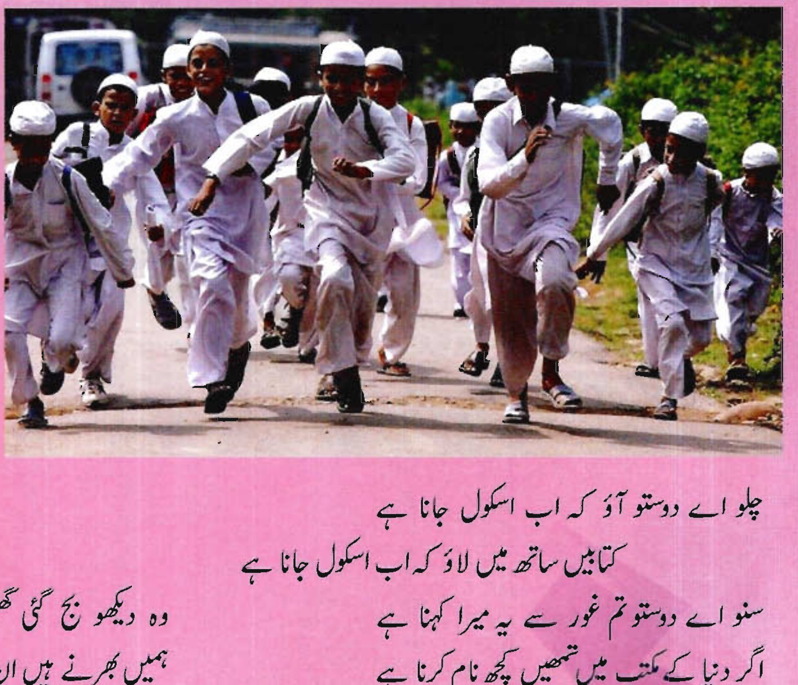

چلو اے دوستو آؤ کہ اب اسکول جانا ہے
کتابیں ساتھ میں لاؤ کہ اب اسکول جانا ہے
سنو اے دوستو تم غور سے یہ میرا کہنا ہے
اگر دنیا کے مکتب میں تمھیں کچھ نام کرنا ہے
الگ بستر سے ہوجاؤ کہ اب اسکول جانا ہے
کتابیں ساتھ میں لاؤ کہ اب اسکول جانا ہے
اگر ہم سیکھ لیں گے پڑھنا لکھنا ہر فسانے کو
تو پھر ہم علم کی عظمت بتائیں گے زمانے کو
ذرا تم ہوش میں آؤ کہ اب اسکول جانا ہے
کتابیں ساتھ میں لاؤ کہ اب اسکول جانا ہے

وہ دیکھو بج گئی گھنٹی وہ آئے ماسٹر اپنے
ہمیں بھرنے ہیں ان سے دامن علم وہنر اپنے
سنو اور جلد آجاؤ کہ اب اسکول جانا ہے
کتابیں ساتھ میں لاؤ کہ اب اسکول جانا ہے
چمکنا ہے ہمیں علم وہنر کی روشنی بن کر
ہمیں لوگوں کے کام آنا ہے اچھے آدمی بن کر
ترانہ تم بھی یہ گاؤ کہ اب اسکول جانا ہے
کتابیں ساتھ میں لاؤ کہ اب اسکول جانا ہے

مقصود نشتری 16/1، دولت گنج اندور (ایم پی)

رضا جعفری

روحی کا خواب

ایک میٹھی آواز سنائی دی، ''روحی!'' روحی نے دروازے کے باہر جھانک کر دیکھا۔ وہاں پر چم چم کرتے پروں والی ایک لڑکی کھڑی تھی۔

روحی نے پوچھا، ''کیا تم پری ہو؟''

پری نے جواب دیا، ''ہاں — یقین نہیں آتا؟''

روحی نے کہا، ''میں نے سنا ہے پریاں جادو کی چھڑی گھماتی ہیں تو روتے بچوں کو ہنسا دیتی ہیں، جو بھٹکے ہوئے ہیں ان کو راستہ دکھاتی ہیں۔ میری دادی ماں کی کہانیوں میں کچھ بری پریاں بھی آتی ہیں لیکن تم اچھی پری معلوم ہوتی ہو۔'' 603-B

''کیسے پہچانا؟''

''تمھارا چہرہ میری گڑیا کی طرح پیارا ہے۔'' روحی بولی۔

پری نے کہا، ''جو بچے سچ بولتے ہیں اور بڑوں کا کہنا مانتے ہیں وہ کبھی سب کے پیارے ہوتے ہیں۔''

روحی نے پوچھا، ''پیاری پری! ایک بات بتاؤ۔''

پری نے کہا، ''پوچھو—''

روحی بولی، ''کیا پریاں سچ مچ ہوتی ہیں؟''

پری نے مسکرا کر کہا، ''تمھارے جیسے بچوں کے لیے ہوتی ہیں۔''

اُسی وقت ماں نے آواز دی، ''روحی بیٹی! اُٹھو! اسکول کا وقت ہو رہا ہے۔''

روحی جاگ اٹھی۔ وہ خوب صورت پری جانے کہاں غائب ہوگئی تھی۔■■

گیدڑ بن گیا مور...

ایک تھا گیدڑ۔ ایک مرتبہ وہ حوض میں گر پڑا۔ حوض رنگین پانی سے بھرا تھا۔ گیدڑ حوض سے باہر نکلا۔ اس کی پوری کھال رنگین ہوچکی تھی۔ وہ خوشی سے اُچھل پڑا۔ "آہا! میں تو مور بن گیا۔"

وہ خوش خوش جنگل میں پہنچا جہاں دوسرے جانور بھی تھے۔ وہ اترا کر کہنے لگا۔ "اے جنگل کے جانورو! اب مجھے گیدڑ نہ کہنا۔ دیکھو تو میں مور بن چکا ہوں۔ مجھے مور کہہ کر پکارو۔"

سارے جانور حیران تھے کہ وہ اسے کیا کہیں۔ آخر ایک گیدڑ ڈرتے ڈرتے آگے بڑھا اور بولا، "مگر مور تو باغوں میں رہتا ہے۔" رنگ دار گیدڑ نے اکڑ

کر کہا، "تو کیا ہوا میں بھی تو جنگل میں رہتا ہوں۔"

ایک خرگوش نے پوچھا "کیا تم مور کی طرح ناچ سکتے ہو؟"

ہرن نے گھاس چرتے چرتے گردن اٹھا کر پوچھا "مور کے سر پر تاج ہوتا ہے۔ کیا تمھارے سر پر تاج ہے؟"

ایسے سوال سن کر رنگ دار گیدڑ گھبرا گیا۔ اسے کوئی جواب نہیں سوجھا۔ وہ وہاں سے بھاگ نکلا۔ جانوروں نے اس کا پیچھا کیا۔ راستے میں ایک نالا پڑتا تھا۔ رنگ دار گیدڑ بھاگتے بھاگتے نالے میں گر پڑا۔ پانی میں گرتے ہی اس کا سارا رنگ دھل گیا اور وہ پہلے جیسا ہوگیا۔

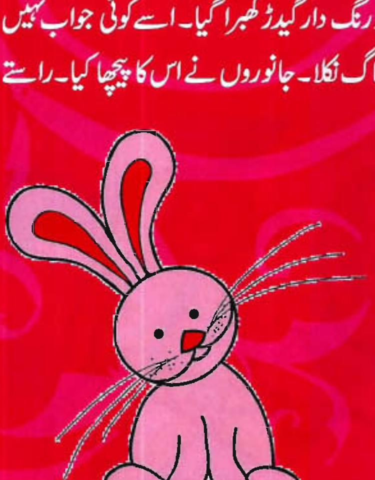

ایک بوڑھی لومڑی نے اسے سمجھایا، "دیکھو! صرف کھال رنگ لینے سے تمھارے اندر مور جیسی خوبیاں پیدا نہیں ہوسکتیں۔ تم گیدڑ ہو اور گیدڑ ہی رہو گے۔" ■■

حکایات رومی سے ماخوذ
سلام بن رزاق، نیو آکار، حیدری مسجد، نیا نگر میرا روڈ CHS ضلع تھانے۔ مہاراشٹر

رضا جعفری

محنت کا چراغ

کسی جنگل میں ایک شیر رہتا تھا۔ موٹا تگڑا، خوفناک شیر، اس کے پانچ بچے تھے۔ بچے بھی شیر کی طرح خوب تندرست تھے۔

شیر جب بھی شکار کو جاتا اپنے ساتھ اپنے پانچوں بچوں کو بھی لے جاتا۔ پہلے تو بچوں کو پتہ نہیں تھا کہ شکار کس طرح کیا جاتا ہے۔ مگر آہستہ آہستہ شیر نے بچوں کو شکار کے سارے گر سکھادیئے۔ اب پانچوں بچے شکار کرنے میں خوب ماہر ہوگئے۔ وہ اتنا شکار کرلیتے تھے کہ وہ پانچوں اوران کے ماں باپ آرام سے کھالیتے تھے۔

آہستہ آہستہ بڑا شیر اور شیرنی بہت کم شکار کو نکلنے لگے۔ پانچوں بچے صبح سویرے ہی اپنی ماند سے نکل جاتے اور سارے جنگل میں گھومتے ٹہلتے اور بہت سارا شکار لے کر گھر لوٹتے۔ بوڑھے شیر اور شیرنی کو جب خوب کھانے اور آرام کرنے کو ملا تو ایک دم سست اور موٹے ہوگئے۔ جولوگ محنت نہیں کرتے اور ہر دم کھاتے رہتے ہیں وہ اسی طرح سست اور کاہل ہوجاتے ہیں۔

اسی جنگل میں ایک لومڑی رہتی تھی۔ اس کے تین بچے تھے وہ سوچتی تھی، ابھی تو اس کے بچے چھوٹے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ جب وہ بڑے ہوں تو شیر کے بچے ان پر حملہ کردیں اور انہیں بھی کھاجائیں۔ لومڑی کے علاوہ جنگل کے دوسرے جانور بھی شیر کے بچوں کے حملے سے ڈرے ہوئے تھے۔ انہوں نے لومڑی سے درخواست کہ کہ وہ ہم سب میں چالاک اور ہوشیار ہے۔ وہ کوئی ایسی ترکیب نکالے کہ ہمارے بچوں کی جانیں بچ سکیں۔

لومڑی شیر کے بچوں کا دھیان بٹانے کی ترکیب سوچنے لگی

اب لومڑی رات دن اسی ادھیڑ بن میں رہتی کہ آخر ایسا کون سا کام کیا جائے کہ ان شیر کے بچوں کا دھیان بٹ جائے اور وہ بچوں پر حملہ کرنا چھوڑ دیں۔ ایک دن وہ ایک ایسی جگہ جا کر چھپ کر بیٹھ گئی جہاں شیر کا سب سے چھوٹا بچہ شکار کو آتا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ شیر کا بچہ اس سے کچھ دوری پر ہے تو وہ لنگڑاتی ہوئی باہر نکل آئی اور زور سے بولی:

’’میں تو اس جنگل کی کمزور جانور ہوں۔ اگر میں بیمار ہو جاؤں تب بھی مجھے کھانے کی تلاش میں باہر نکلنا پڑتا ہے۔ آپ تو جنگل کے شہزادے ہیں آپ کو کس چیز کی کمی ہے جو یوں مارے مارے پھرتے ہیں۔ آپ چاہیں تو اپنے لئے الہ دین کا چراغ لا سکتے ہیں۔‘‘

شیر کے بچے نے لومڑی کی بات سنی تو وہ رک گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ الہ دین کا چراغ کیا ہوتا ہے۔ لومڑی نے جب دیکھا کہ شیر کا بچہ رک گیا ہے تو وہ دوڑ کر پاس کے ایک پیڑ کے پیچھے چھپ گئی۔ شیر کے بچے نے پکارا ’’بی لومڑی! یہ الہ دین کا چراغ کیا ہوتا ہے؟‘‘

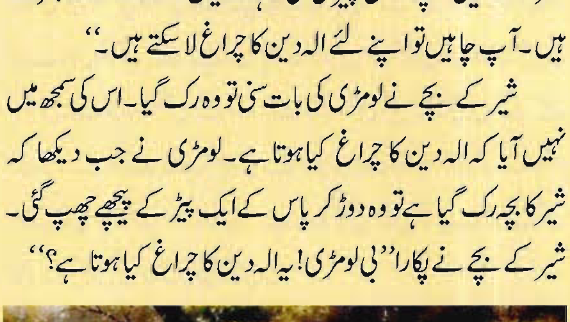

شیر کے بچے دن رات جادوئی چراغ کے بارے میں ہی سوچتے رہتے

لومڑی نے دیکھا کہ اس کی ترکیب کام آ رہی ہے تو وہ بولی۔

’’یہ ایک چراغ ہوتا ہے چھوٹی سی کٹوری جیسا۔ بس اس کو زمین پر رگڑو تو اس میں سے ایک جن نکلتا ہے۔ یہ لمبا چوڑا۔ تمہارے باپ سے بھی کئی گنا بڑا جن۔ وہ آتے ہی ہاتھ جوڑ کر پوچھتا ہے۔ ’’حضور! آپ نے مجھے یاد کیا ہے؟‘‘ بس اب جو دل میں آئے اس سے مانگ لو۔ اچھی سے اچھی اور بڑی سے بڑی چیزیں بس دو منٹ میں حاضر۔ مگر وہ چراغ صرف راجاؤں کو ملتا ہے اور آپ تو اس جنگل کے شہزادے ہیں۔‘‘

شیر کے بچے کو یہ باتیں سن کر مزہ آیا۔ اس کا دل لالچ سے بھر گیا۔ وہ بولا ’’مگر لومڑی چاچی! وہ چراغ ملتا کہاں ہے؟‘‘

’’ملتا کہاں ہے؟‘‘ لومڑی نے اس طرح دہرایا جیسے کچھ سوچ رہی ہو، پھر بولی۔ ’’ارے وہ ڈھونڈنے سے ملتا ہے۔ بس اس کا تلاش کرنا ہی تو مشکل ہے۔‘‘ پھر منہ بنا کر بولی ’’مگر تم تو سارے دن جانوروں کا شکار کرتے پھرتے ہو۔ تمہارے پاس اتنا وقت کہاں کہ اس کو ڈھونڈھ سکو۔‘‘

’’نہیں نہیں ایسا نہیں ہے۔‘‘ شیر کا بچہ بولا ’’میں تلاش کروں گا۔ جب وہ چراغ مجھے مل جائے گا تو میں چراغ کے جن سے بڑھیا چیزیں منگوا کر کھایا کروں گا۔‘‘

’’اچھا اگر یہ بات ہے تو تم آج ہی سے الہ دین کے چراغ کی تلاش شروع کر دو۔ بس ایک بات کا دھیان رکھنا۔ اپنے کسی دوسرے بھائی کو یہ راز ہر گز نہ بتانا ورنہ وہ بھی تمہاری طرح شکار چھوڑ کر الہ دین کا چراغ ڈھونڈنا شروع کر دیں گے۔ آخر وہ بھی تو تمہاری ہی طرح

اس جنگل کے شہزادے ہیں۔''

''نہیں نہیں بالکل نہیں۔ میں یہ بات کسی کو نہیں بتاؤں گا۔'' شیر کا بچہ بولا اور وہ الہ دین کے چراغ کو اپنے دل میں بسائے زمین کو غور سے دیکھتا ہوا جنگل کی دوسری طرف چلا گیا۔

لومڑی دل ہی دل میں خوب مسکرائی۔ ایک جنگ تو اس نے جیت لی تھی۔ آہستہ آہستہ اس نے اس طرح شیر کے پانچوں بچوں کو اپنے جال میں پھنسایا۔ ہر ایک سے اس نے یہی کہا کہ اس راز کو وہ دوسرے بچے کو ہرگز نہ بتائیں۔

اب پانچوں بچوں نے آہستہ آہستہ جانوروں کا شکار کرنا چھوڑ دیا اور سارے جنگل میں ایک دوسرے سے چھپ کر الہ دین کا چراغ ڈھونڈنے لگے۔ جنگل کے سارے جانور خوشی سے جھوم اٹھے اور لومڑی کی ہوشیاری اور چالاکی کے گن گانے لگے۔

ادھر جیسے جیسے دن بیتنے لگے شیر کے پانچوں بچے دبلے اور کمزور ہونے لگے۔ ان بچوں کے ساتھ ساتھ بوڑھا شیر اور شیرنی بھی کمزور ہونے لگے۔ جب اس طرح بھوکے رہتے ہوئے کافی دن ہو گئے تو بوڑھے شیر کے کان کھڑے ہوئے۔ آخر بات کیا ہے؟ بچے شکار کیوں نہیں کر رہے ہیں؟ اس نے سوچا۔ ایک دن اس نے پانچوں بچوں کو اپنے پاس بلایا۔ باتوں ہی باتوں میں جنگل کے سارے جانوروں کے بارے میں پوچھنے لگا۔ اس نے دیکھا پانچوں بچوں نے جنگل کے دوسرے جانوروں کے بارے میں تو کوئی خاص بات نہیں بتلائی مگر بوڑھی لومڑی کی ان پانچوں نے خوب تعریف کی۔ یہ سنتے ہی بوڑھے شیر کے کان کھڑے ہو گئے۔ اس کو پورا یقین ہو گیا کہ ہو نہ ہو اس پاجی لومڑی نے ضرور کوئی شرارت کی ہے اور ان بچوں کو چھوٹا سمجھ کر بہکایا ہے۔

اس نے پانچوں بچوں سے کہا ''دیکھو بچو! لومڑی بہت چالاک ہوتی ہے۔ اس کے کہنے میں ہرگز نہ آنا۔ اگر اس نے تم سے کوئی بات کہی ہو تو مجھے ضرور بتا دو ورنہ ہم سب کا بہت بڑا نقصان ہو جائے گا۔''

چور تو پانچوں بچوں کے دل میں تھا۔ انھوں نے ایک دوسرے کی

چھوٹے بچے نے بوڑھے شیر کو سب بات صاف صاف بتادی

طرف دیکھا۔ اس سے پہلے کہ کوئی کچھ بولتا چھوٹے بچے نے ساری بات صاف صاف بتلا دی۔ جب اس نے بتایا کہ لومڑی نے یہ بھی کہا تھا کہ یہ راز کسی کو نہ بتانا تو باقی کے چاروں بچوں نے بھی قبول کر لیا کہ لومڑی نے ان سے بھی یہی کہا تھا۔ بوڑھا شیر ان کی بات سن کر مسکرانے لگا ''شاباش بچو! تم نے ساری بات سچ سچ بتا کر بہت اچھا کیا ورنہ وہ چالاک لومڑی ہم سب کو بھوکا مار ڈالتی۔'' پھر اس نے سمجھایا ''بچو! دنیا میں ایسے چالاک لوگ بہت ہوتے ہیں جو چھوٹے بچوں کو لالچ دے کر بہکا دیتے ہیں۔ تم سب کو آپس میں مل جل کر رہنا چاہئے اور ایک دوسرے کے اوپر پورا بھروسہ کرنا چاہئے۔ بچو! اصل بات یہ ہے کہ ہم کو زندگی میں جو کچھ ملتا ہے وہ صرف اپنی محنت سے ملتا ہے۔ اس دنیا میں الہ دین کا کوئی چراغ نہ پہلے کبھی تھا اور نہ اب ہے۔ بس تمہاری محنت اور ایمانداری کا نام ہی الہ دین کا چراغ ہے۔''

پانچوں بچے بوڑھے شیر کے آگے لوٹنے لگے۔ جیسے ان کو اپنے کئے پر پچھتاوا ہو رہا ہو۔□

ماخذ: ہاتھوں کا خزانہ اور دوسری کہانیاں، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے مالی تعاون سے شائع شدہ۔ مصنف: رضا جعفری

■ محمد حذیفہ صدیقی

کبوتر اور مدھو مکھی

ایک تھا کبوتر اور ایک تھی مدھو مکھی۔ دونوں میں بڑی دوستی تھی۔ ایک دن مدھو مکھی تالاب میں جا گری۔ پھر وہ پانی میں پھڑ پھڑانے لگی۔ کبوتر نے مدھو مکھی کو تالاب میں تیرتے ہوئے دیکھ لیا۔ یہ دیکھ کر کبوتر سوچنے لگا۔ مدھو مکھی کو کیسے بچایا جائے۔ پھر اسے ایک ترکیب سوجھی کہ چلو درخت سے ایک پتا توڑتے ہیں۔ پیڑ سے پتا توڑ کر اس نے اپنی چونچ میں دبایا اور شہد کی مکھی کے سامنے ندی میں گرادیا۔ اس کے بعد مکھی پتے پر بیٹھ گئی اور دھیرے دھیرے کنارے ہو کر باہر آ گئی۔ کبوتر نے جب اسے باہر دیکھا تو وہ بالکل ہل ڈُل نہیں رہی تھی۔ وہ ڈر گیا کہ کہیں اس کی دوست مدھو مکھی مر نہ گئی ہو۔ مگر کچھ دیر بعد وہ ہلنے ڈُلنے لگی۔ اس کے بعد وہ دھیرے دھیرے اڑنے لگی۔ خوش ہو کر مدھو مکھی نے کبوتر کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ تم نے میری جان بچائی یہ احسان میں زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔

اس کے بعد ایسا ہوا کہ ایک دن کبوتر پیڑ بیٹھا ہوا تھا۔ اچانک ایک شکاری جنگل سے نکل پڑا اور اس نے پیڑ پر کبوتر کو بیٹھے دیکھ لیا۔ اس نے کبوتر کی طرف نشانہ جمالیا۔ کبوتر نے شکاری کا نشانہ دیکھتے ہی اپنا منہ نیچے کی طرف کرلیا اور جیسے ہی شکاری کبوتر کو مارنے کے لیے اپنی چھوٹی سی بندوق کی لبلبی دبانے والا تھا اچانک مدھو مکھی نے اس کے ہاتھ پر آ کر ڈنک ماردیا اور بندوق کا نشانہ دوسری جگہ جالگا۔ اس طرح مدھو مکھی نے کبوتر کی جان کو بچالیا۔ یوں دونوں نے دوستی کا حق ادا کر دیا اور بہت دنوں تک جنگل میں خوشی خوشی رہتے رہے۔ □

محمد حذیفہ صدیقی
N/139، بی۔1، ابوفضل انکلیو، نئی دہلی۔ 110025

■ جی انیس احمد

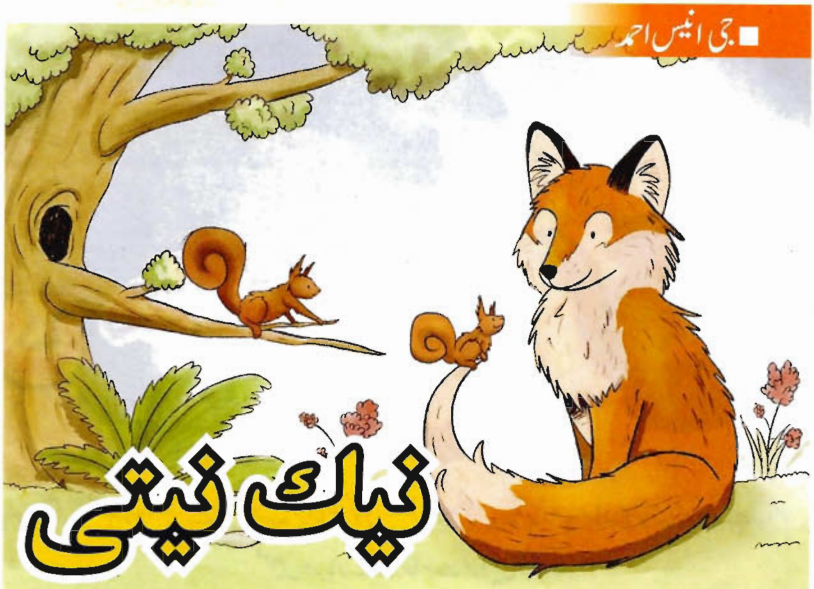

نیک نیتی

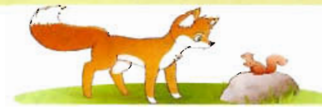

ایک گلہری ایک درخت کی شاخوں پر اچھلتے کودتے کھیل رہی تھی اور خوشی سے جھوم رہی تھی۔ درخت پر آئے ہوئے پھلوں کو مزے لے کر کھا رہی تھی۔ درخت کے سائے میں ایک لومڑی لیٹی ہوئی گلہری کی اچھل کود کو دیکھ رہی تھی اور بغض وحسد سے جل رہی تھی کہ ایسی بے فکری اور خوشی اس کو آج تک نہیں ملی ہے۔ اچانک ایک شاخ سے دوسری شاخ پر چھلانگ لگاتے وقت نشانہ چوکا اور گلہری نیچے سیدھے لومڑی کی گود میں جا گری۔ لومڑی نے ذرا بھی دیر لگائے بغیر فوراً اس کو دبوچ لیا۔

گلہری پچھتانے اور لومڑی کی منت سماجت کرنے لگی کہ کسی طرح اس کو رہا کر دے۔ لومڑی نے کہا ''ٹھیک ہے۔ میں تجھے رہا کر دیتی ہوں لیکن میرے سوال کا ٹھیک ٹھیک جواب دینا۔''

گلہری نے کہا ''پوچھو جو کچھ پوچھنا ہے اگر جواب مجھے معلوم ہے تو بتا دوں گی۔''

لومڑی نے پوچھا ''کیا میں دیکھنے میں تجھ سے بڑی نہیں ہوں؟ چالاکی اور ہوشیاری میں تجھ سے زیادہ صلاحیت والی نہیں ہوں۔''

گلہری نے کہا ''بے شک، تم واقعی مجھ سے بہت بڑی ہو اور مجھ سے زیادہ چالاک بھی ہو۔''

لومڑی نے کہا '' پھر کیا بات ہے جو خوشحالی اس لومڑی کے پاس نہیں ہے۔ وہ تجھے کیسے میسر ہوگئی۔ تو ہر وقت اچھلتے کودتے شاد ماں رہتی ہے۔ آخر اس کا راز کیا ہے۔ یہ تجھے کیسے میسر ہوا؟''

گلہری نے کہا ''اس کا جواب میں تمہیں دے سکتی ہوں لیکن سب سے پہلے تم مجھے آزاد کرو۔''

لومڑی نے فوراً گلہری کو آزاد کردیا۔ گلہری قید سے نجات پا کر پھر درخت پر چڑھ گئی اور ایک شاخ پر بیٹھ کر ہنسنے لگی۔ لومڑی نے پوچھا ''اچھا اب بتا تیرے خوش رہنے کا راز کیا ہے؟''

گلہری نے کہا ''بات اصل میں یہ ہے کہ تم ہمیشہ دوسروں کو تکلیف دینے اور مصیبت میں ڈالنے کی سوچتی رہتی ہو۔ تمہاری حرکتوں سے بدنیتی ظاہر ہوتی ہے تمہارے غلط خیالات تمھیں مجبور کر دیتے ہیں اور خوشی اور خوشحالی تم سے دور ہو جاتی ہے۔ اس کے اُلٹ ہمارے خیالات اچھے ہیں، ہماری نیتیں پاک صاف ہیں۔ ہم دوسروں کو خوش کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور کسی کو تکلیف دینے سے باز آتے ہیں۔ یہی ہماری خوشی کا راز ہے۔''

یہ کہہ کر گلہری دوسری شاخ پر اچھل گئی۔ □

جی۔ انیس احمد
نمبر 24 ایس آر گلی میل وشارم۔632509 تامل ناڈو

محمد اطہر مسعود خاں

لوٹے میں ہاتھی

''نہیں، تمہارا قصور معاف نہیں کیا جاسکتا۔'' شہنشاہ اکبر نے غصہ کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''سرکار! میں معافی چاہتا ہوں۔'' درباری نے گھبرا کر لجاجت بھرے لہجے میں گزارش کی۔

''ہم کئی دن سے حاضری نامہ دیکھ رہے ہیں۔'' اکبر نے گرج کر کہا۔'' ہمارے دربار کے کچھ اصول ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا ہر درباری ان اصولوں کا احترام کرے۔''

''حضور! میں دربار کے سارے آداب وقوانین سے واقف ہوں۔'' درباری نے نظریں نیچی کیے ہوئے جواب دیا۔''بس وہ بچے کی...''

''ہرگز نہیں، ہم کوئی بہانہ سننا نہیں چاہتے۔'' شہنشاہ اکبر نے بھرے دربار پر نظر ڈالتے ہوئے کہا'' ہم حاضری نامے کا معائنہ کرتے رہے ہیں اور ہمیں معلوم ہے کہ تم کئی روز سے دربار میں دیر سے آرہے ہو۔''

''سرکار! آپ کی بات درست ہے، مگر کئی روز سے یہ ہو رہا ہے کہ دربار کے لئے گھر سے نکلتے وقت میرا بچہ رونے لگتا ہے اور ضد کرتا ہے کہ میں تھوڑی دیر اسے سڑک پر گھما لاؤں۔ اس وجہ سے یہاں آنے میں دیر ہو جاتی ہے۔''

''تمھیں بچے کو بہلانے میں دیر ہو جاتی ہے؟'' بادشاہ سلامت نے نہایت حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔'' بچے کو بہلانا اور اسے چپ کرانا تو کوئی مشکل کام نہیں۔ تمہارا یہ بہانہ ناقابل قبول ہے۔ ہم تمھیں دربار سے برخاست کر دیں گے۔''

''حضور! میں معافی چاہتا ہوں۔ دیر سے آنے کی اور کوئی وجہ نہیں۔ بس ساری پریشانی یہ ہے کہ میں جب گھر سے باہر نکلتا ہوں تو اسی وقت میرا بچہ رونے لگتا ہے کہ مجھے گود میں لے لو۔'' درباری نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔''سرکار! میں کوشش کروں گا کہ آئندہ کبھی دربار میں آنے میں تاخیر نہ ہو۔''

''تمھیں یہ کوشش کرنی ہی پڑے گی۔'' اکبر نے اسے تنبیہ کی۔

''بہتر ہے ظلِ الٰہی! آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔''

لیکن ہوا یہ کہ وعدے اور کوشش کے باوجود درباری اگلے روز بھی دربار میں وقت پر نہ پہنچ سکا اور ڈرتے ڈرتے نہایت تاخیر سے دربار میں حاضر ہوا۔ شہنشاہ اکبر کو اس کا یہ عمل پسند نہیں آیا۔ وہ سوچ

''سرکار! میں معافی چاہتا ہوں۔'' درباری نے شہنشاہ سے گزارش کی

بھی نہیں سکتے تھے کہ ان کا کوئی درباری یا ان کے ملک کا کوئی باشندہ ان کے حکم کی خلاف ورزی بھی کر سکتا ہے۔ غصہ کے عالم میں انھوں نے اس درباری کو خوب ڈانٹا اور یہ کہتے ہوئے اس کو دربار سے برخاست کر دیا کہ ہمیں ایسے شخص کی ضرورت نہیں جو ہمارے حکم کو نہ سنے اور تنبیہ کے باوجود دربار میں دیر سے آتا رہے۔

درباری اس حکم سے کافی پریشان ہو گیا۔ اس نے بادشاہ سے رو رو کر گزارش کی کہ اس کو اس کے عہدے اور منصب سے الگ نہ کیا جائے کیونکہ وہ برسوں سے بادشاہ سلامت کی خدمت انجام دیتا ہے اور دربار میں ضروری امور کی انجام دہی میں بھی برابر حصہ لیتا رہا ہے۔ لیکن شہنشاہ چونکہ فیصلہ کر چکے تھے اس لیے انھوں نے اپنے فیصلے کو بدلنے سے انکار کر دیا۔

درباری نہایت دکھ اور صدمے کی حالت میں دربار سے نکل آیا۔ کئی دن تک وہ گھر میں ہی رہا۔ اسے شدت سے دربار کی یاد آتی لیکن پھر شہنشاہ اکبر کے جاہ و جلال اور غصے کو یاد کر کے وہ کانپ جاتا اور کبھی اپنے شہنشاہ کی رحم دلی کے بہت سے واقعات کو یاد کر کے اس کی ڈھارس بھی بندھتی کہ چلو کوشش کر کے دیکھتا ہوں شاید ان کے دل میں رحم کے جذبات ابھر آئیں اور وہ میری خطا اور غلطی کو درگزر کرتے ہوئے مجھے معاف کر دیں اور میں پھر سے روزانہ دربار میں جانے لگوں۔ گھر کی مالی حالت اسے پریشان کرنے لگتی اور وہ سوچ سوچ کر ہلکان ہونے لگتا کہ اب کیا کرے؟ اس کی روزی روٹی کا ذریعہ تو درباری خدمت ہی تھا۔ کبھی اسے اپنے بچے پر غصہ آتا کہ محض اس کی وجہ سے میرا دربار کا آنا جانا بند ہوا لیکن پھر ایک شفیق باپ کی طرح بچے پر پیار آجاتا اور وہ سوچتا کہ یہ تین سال کا معصوم بچہ ہے، یہ بھلا دربار کی باتیں کیا جانے؟

آخر اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی اور اس نے سوچا کیوں نہ میں اپنی پریشانی راجا بیربل سے جا کر کہوں۔ بس پھر شام کو بیربل، جب دربار سے واپس آگئے تو درباری نے جا کر ان سے اپنی ساری پریشانی کہہ سنائی۔ بیربل بھی سوچ میں پڑھ گئے کہ کون سی ایسی ترکیب ہو کہ یہ اپنی نوکری پر بحال ہو جائے اور شہنشاہ اکبر بھی اس سے راضی

بیربل شہنشاہ کو سمجھانے میں ناکام رہا، آخر اسے ایک ترکیب سوجھ گئی...

رہیں۔ انھوں نے درباری سے وعدہ کیا کہ وہ اس کے بارے میں بادشاہ سلامت سے سفارش ضرور کریں گے ہو سکتا ہے کہ ان کا دل پسیج جائے اور وہ اس کی نوکری بحال کر دیں۔

اگلے روز بیربل نے موقع ملتے ہی بادشاہ سے درباری کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ہم لوگوں کو اس کی بہت کمی محسوس ہو رہی ہے کیونکہ وہ بہت کام کا آدمی تھا۔ سارے سرکاری اور درباری کام بڑی ایمانداری اور لگن سے انجام دیتا تھا۔ اس لئے اس کی غلطی اور سزا معاف کر کے اسے دوبارہ یہاں دربار میں بلا لیا جائے۔

''لیکن اس کا روز دربار میں دیر سے آنا اور بچے کے رونے کا بہانہ کرنا، اس بارے میں تم کیا کہو گے۔'' اکبر نے بیربل کی بات توجہ سے سنی اور پھر ان سے کہا کہ ''بچہ کو بہلانا کوئی بڑا مسئلہ نہیں جس کی وجہ سے دربار میں تاخیر سے آیا جائے۔''

''حضور! بچہ جب روتا ہے اور ضد کرنے لگتا ہے تو اس کو بہلانا آسان نہیں ہوتا۔ آپ نے سنا ہوگا کہ یونان کے ایک فلسفی ارسطو نے بچہ کو' آدمی کا باپ' کہا ہے۔ کسی اور وجہ سے نہیں بلکہ اسی الجھن میں درباری کو روز دربار میں آنے میں دیر ہو جاتی تھی۔'' بیربل نے اپنی بات شہنشاہ اکبر کے سامنے رکھتے ہوئے کیا۔

''تمہاری سب باتیں درست ہو سکتی ہیں۔'' اکبر نے کہا ''اور میں ان کو مان بھی سکتا ہوں کیونکہ تم میرے چہیتے درباری ہو لیکن میں

بیربل کا تماشہ دیکھ کر سب لوٹ پوٹ ہو گئے

یہ دلیل ماننے کو تیار نہیں کہ بچہ کو بہلانا کوئی بہت ہی مشکل کام ہے۔''
''حضور!'' بیربل بھی برجستہ بولے'' آپ اگر یہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ بچے کو بہلانا کوئی مشکل کام ہے تو اس کا تجربہ کر لیتے ہیں۔''
بیربل ذرا شوخی پر اتر آئے۔ ان کا تو مزاج ہی کچھ اس طرح کا تھا۔
''کیسا تجربہ'' اکبر نے ان سے سوال کیا۔
''حضور! ایسا کرتے ہیں کہ تھوڑی دیر کے لئے میں بچہ بن جاتا ہوں اور آپ میرے باپ بن جایئے۔ پھر آپ کو پتہ چل جائے گا کہ بچہ کو بہلانا آسان ہے یا مشکل۔''
''ٹھیک ہے، میں اس کے لئے راضی ہوں۔ تمہیں اجازت ہے کہ تم بچہ بن جاؤ اور رو کر یا ضد کر کے دکھاؤ پھر آگے جو بھی ہوگا، وہ سب دیکھ لیں گے۔''

بیربل نے بچّوں کی طرح ایسی ایسی ضد اور فرمائشیں کیں کہ شہنشاہ اکبر حیران ہو گئے

یہ سن کر بیربل نے اچانک بچوں کی طرح رونا چلانا اور پیر پٹکنا شروع کر دیا اور ان کے پاس جو بھی چھوٹی موٹی چیزیں تھیں۔ وہ ان کو پھینکنے لگے اور اکبر سے ضد کرنے لگے کہ ''ابا مجھے گود میں لو، ابا جان! مجھے اپنے پاس تخت پر بٹھاؤ۔''
اکبر کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ بیربل اس طرح بچہ بن کر ضد کریں گے۔ وہ انھیں چپ کرانے لگے۔ بیربل یہ کہتے ہوئے روتے جاتے تھے کہ نہیں نہیں مجھے ابھی گود میں لو۔ آخر بادشاہ کو بیربل کی یہ ضد پوری کرنی پڑی اور انھیں اپنے تخت سے نیچے آ کر بیربل کو گود میں لینا پڑا۔ اب بیربل نے کہا ''میں ایک لوٹا لوں گا۔''
بادشاہ نے حیرت سے پوچھا ''لوٹے کا کیا کرو گے۔''
''نہ، میں تو لوٹا لوں گا ابھی۔'' بیربل ضد کر کے بولے۔ بادشاہ نے حکم دیا اور فوراً کئی طرح کے چھوٹے بڑے، سونے، چاندی، پیتل، تانبے اور مٹی کے لوٹے دربار میں حاضر کر دیئے گئے۔ بیربل نے کہا اب ان سب لوٹوں کو اوپر نیچے رکھوا اور سب سے نیچے چھوٹا لوٹا رکھو اور سب سے اوپر، سب سے بڑے لوٹے کو رکھو۔ اکبر کوشش کرتے کرتے تھک گئے۔ آخر ایک چھوٹے پر اتنے بہت سے بڑے لوٹے کیسے رکھے جا سکتے تھے۔ ادھر بیربل برابر پیر پٹکتے رہے اور ابا ابا کہہ کر اکبر کو آوازیں بھی دیتے رہے۔ اکبر نے اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے پریشانی سے بیربل کی طرف دیکھا کہ شاید وہ مان جائیں۔ ادھر درباری دم سادے بیٹھے تھے کہ دیکھیں کیا ہو۔ حالانکہ ان سب کے، ہنسی کے مارے پیٹ میں بل پڑ رہے تھے۔ لیکن اکبر کے ڈر کی وجہ سے وہ اپنی ہنسی دبائے تھے۔ بیربل ''اوں اوں'' کر کے روتے جاتے تھے۔ اس بیچ وہ نئی نئی چیزوں کی، کھانے کی فرمائش بھی کرتے جاتے اور عجیب عجیب طرح کی، کھانے کی ضدیں کر رہے تھے کہ میں ہلدی کی شکر کھاؤں گا۔ پھر بولے مجھے امرود کا پلاؤ کھانے کو چاہئے، کبھی کہتے آم کا قورمہ کھاؤں گا۔ ادھر اکبر تلے اوپر لوٹے رکھنے میں مصروف تھے لیکن ادھر بیربل کے بار بار پیر پٹکنے اور شور مچانے سے ان کے ہاتھ پیر پھولے ہوئے تھے۔ انھیں احساس ہو رہا تھا کہ شاید بچے کو خاموش کرانا اتنا آسان نہیں جتنا کہ وہ سمجھ رہے تھے۔
بہر حال جیسے تیسے کر کے اکبر نے لوٹوں پر لوٹے رکھے اور ابھی

اس مشقت بھرے کام سے وہ نمٹے ہی تھے کہ سارے لوٹے دھڑام سے نیچے گر پڑے۔ اب تو بیربل نے اور بھی زور زور سے رونا شروع کر دیا اور اس کے ساتھ ہی ان کی نئی ضد شروع ہوگئی کہ مجھے ابھی اسی وقت دربار میں ایک ہاتھی منگا کر دو۔ اکبر کے لئے ہاتھی منگوانا کوئی مشکل نہیں تھا۔ ان کے پاس تو ہاتھیوں کی پوری فوج موجود تھی لیکن بیربل نے جس رنگ کے ہاتھی کی ضد کی تھی وہ بڑی مشکل سے مل سکا۔ آخرکار ہاتھی کو دربار میں لایا گیا لیکن جیسے ہی ہاتھی دربار میں آیا، بیربل نے ایک لوٹا ہاتھ میں اٹھالیا اور کہنے لگے کہ اس ہاتھی کو اس لوٹے میں ڈالو۔

یہ نئی مصیبت تھی۔ اکبر نے بیربل کو سمجھایا ''بیٹے! ایسی ضد نہیں کرتے، ابا کو پریشان کرنا بری بات ہے، تم تو بہت اچھے بچے ہو!'' انھوں نے بیربل کو بہت چمکارا، بڑا دُلار کیا۔ سر پر ہاتھ پھیرا۔ ان کو موتیوں کی مالا دے کر اس سے کھیلنے کو کہا۔ ان کے آنسو پونچھے، پیر پٹکنے میں ان کے جوتے اتر گئے تھے۔ اکبر نے اپنے ہاتھ سے ان کو جوتے بھی پہنائے اور بہت سمجھایا کہ بیٹے ایسی ضدمت کرو جو کسی صورت میں پوری نہ ہوسکے۔ بھلا اتنا بڑا ہاتھی لوٹے میں کیسے آسکتا ہے؟ لیکن بیربل کی ضد تھی کہ کسی طرح پوری نہ ہورہی تھی۔ وہ برابر اپنے کپڑے بھی پھاڑ رہے تھے اور ابا ابا کہہ کر اکبر کو آوازیں بھی دیتے جاتے تھے۔ اکبر نے بظاہر ننھے بیربل کو دکھانے کے لئے ہاتھی کو لوٹے میں ڈالنے کی کوشش بھی کی لیکن ہاتھی لوٹے میں کیسے آتا؟ اس کی تو سونڈ بھی لوٹے میں نہیں آئی۔ اتنے میں اکبر نے بڑی حسرت سے بیربل کی طرف یکھا کہ شاید یہ میری پریشانی دیکھ کر اپنی ضد چھوڑ دیں۔ آخر اکبر کو بیربل سے کہنا پڑا کہ بچے کو چپ کرانا اور اس کی بے تکی ضدیں پوری کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔

یہ سن کر بیربل نے فوراً بچہ بننے کا ڈھونگ چھوڑ دیا اور عرض کیا ''حضور! ابھی تو آپ کنوارے ہیں اور آپ کے کوئی اولاد نہیں اس لئے آپ کو یہ بھی پتہ نہیں کہ بچوں کی ضد کیسی ہوتی ہے اور یہ ماں باپ کا ہی دل ہے کہ وہ پوری محبت سے اپنی اولاد کی ضدیں پوری کرتے ہیں۔''

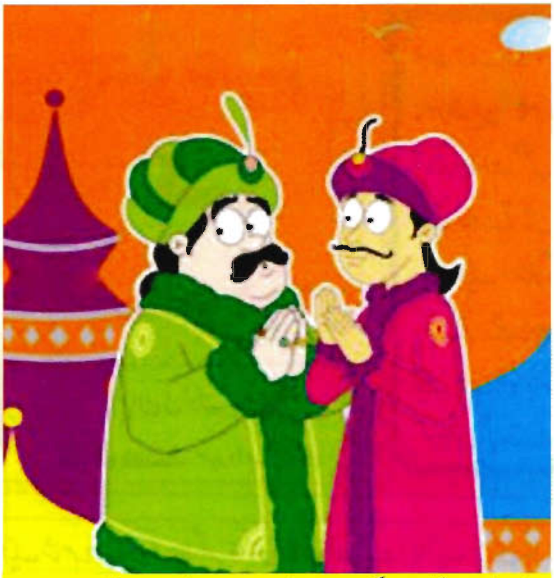

آخر شہنشاہ اکبر نے حکم دے دیا کہ ہم درباری کو معاف کرتے ہیں

اکبر بہت خاموشی اور توجہ سے بیربل کی باتیں سنتے رہے اور دل ہی دل میں ہنستے بھی رہے۔ ان کے چہرے کی دلکش مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ وہ بیربل کی حرکتوں سے کتنے لطف اندوز ہوئے ہیں۔ وہ سمجھ گئے کہ بیربل نے یہ سارا بکھیڑا اپنے لئے نہیں بلکہ اس درباری کی خاطر کیا تھا اور بیربل جہاں ایک طرف شہنشاہ اکبر کے چہیتے درباری تھے تو وہیں بہت نرم دل بھی واقع ہوئے تھے۔ انھوں نے نئے نئے طریقوں سے کتنے ہی لوگوں کی جان بخشی بھی کرائی تھی اور ان کو نوکریوں پر بھی بحال کرایا تھا۔

شہنشاہ اکبر نے اگلے ہی لمحے حکم دیا کہ ہم اپنے درباری کی غلطی معاف کرتے ہیں کیونکہ یہ غلطی اس نے جان بوجھ کر نہیں کی بلکہ بچے کی ضد کی وجہ سے اس کو دربار میں حاضر ہونے میں دیر ہوتی تھی، ہم اس کو اس کے عہدے پر بحال کرتے ہیں۔ کل سے اس کو ہمارے دربار میں پورے درباری آداب کے ساتھ آنے کی اجازت ہے۔

سارا دربار شہنشاہ اکبر کے اس فیصلے سے خوش ہوگیا۔ اور ظاہر ہے اکبر کی تعریفوں کے ساتھ لوگ بیربل کی بھی تعریف کرنے لگے۔ □

ڈاکٹر محمد اطہر مسعود خان
غوث منزل، تالاب ملا ارم، رام پور۔244901 یوپی

چوغے کی دعوت
ایران کی لوک کہانی
کارٹونسٹ: سید واجد علی شاہ
بہت زمانہ گزرا ایران کے ایک گاؤں میں ناصرالدین نام کا ایک غریب آدمی رہتا تھا جو نہائت عقل مند اور پُر مذاق تھا۔ وہ اپنے علاقے میں لوگوں کو تعلیم دیتا تھا اور سب ایک استاد کی حیثیت اس کی عزت کرتے تھے۔وہ ایک سادہ زندگی گزارتا تھا۔ جب وہ پڑھا کر فارغ ہوتا یا نماز ختم کرتا تو باقی وقت اپنے باغ میں کام کرتا رہتا
ایک شام جب وہ اپنے گھر واپس جارہا تھا اُسے اپنا ایک پڑوسی ملا جو کہیں جانے کی جلدی میں تھا
خوش آمدید معلوم ہوتا ہے یہ عمدہ لباس پہن کر کسی بڑی دعوت میں جارہے ہو
ارے کیا آپ کو یاد نہیں آج ہلال سوداگر کے یہاں دعوت ہے!
...اوراس میں آپ بھی مدعو ہیں دیکھو شام ڈھل رہی ہے اور دیر ہورہی ہے
خدا معاف کرے، میں تو بھول ہی گیا تھا، چلو میں ایسے ہی چلتا ہوں
ناصرالدین نے اپنے خچر کا منھ ہلال کے گھر کی طرف موڑ دیا
ناصرالدین خوشی خوشی ہلال کے گھر میں داخل ہوا اور مہمانوں سے گھلنے ملنے لگا، لیکن سارے مہمان اسے نظر انداز کررہے تھے
کیا بات ہے یہ لوگ مجھ سے بات کیوں نہیں کرتے، ہلال نے بھی کوئی توجہ نہیں دی
واقعی یہ عجیب بات تھی کہ میزبان بھی اس کی طرف دھیان نہیں دے رہا تھا
جب کھانا پیش ہوا اور سب کو کھانے کے لیے بٹھایا گیا تو کسی نے بھی ناصرالدین کو نہیں پوچھا، آخراس نے ہلال کو ٹوک ہی دیا
ہلال میرے دوست، تم نے آج کتنی شاندار دعوت کی ہے خدا تمھیں اور عزت دے
مگر اس دعا کا بھی ہلال پر کوئی اثر نہ ہوا

اس قسم کے برتاؤ کے بارے میں وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس نے اپنی حالت پر نظر ڈالی
اف، کہیں یہ برتاؤ میرے پھٹے جوتوں اور پرانے پیوند لگے کپڑوں کی وجہ سے تو نہیں ہو رہا!
وہ خاموشی کے ساتھ وہاں سے چل دیا
گھر آتے ہی اس نے ہاتھ منھ دھویا اور بہترین لباس پہن کر سوداگر کے گھر کی راہ لی۔ جیسے ہی گھر میں داخل ہوا ہر شخص کی نظر اس کی طرف اٹھنے لگی۔ ہلال سوداگر نے دیکھا تو وہ بھی دیکھتا رہ گیا اور دوڑ کر ناصرالدین کا استقبال کرنے لگا۔
آؤ ناصر الدین بھائی! خوش آمدید...
شکریہ شکریہ!
اسے سب سے اچھی جگہ بٹھایا
آپ یہاں تشریف رکھیں ابھی کھانا لگواتا ہوں
بہت خوب شکریہ
اب یہ حال تھا کہ ہر شخص اس سے ہی بات کرنا چاہتا تھا
کھانا آیا تو ناصرالدین نے قاب سے ایک بوٹی اٹھا کر چوغے میں رکھ لی اور بولا
!
اے میرے چوغے لے کھانا کھا
یہ کہہ کر وہ باقاعدہ اپنے کپڑوں کو کھانا کھلانے لگا۔
ہلال نے دیکھا تو حیران بھی ہوا اور فکر مند بھی
4-7/13 -
جلد ہی اسے غصہ آ گیا اور چیخ کر بولا
یہ کیا مذاق ہے۔ مجھے ایسا مذاق پسند نہیں
تم نے کھانے پر مجھے تو بلایا نہیں تھا۔ اس چوغے کو بلایا تھا...
?
...میں آیا تھا تو کسی نے بات بھی نہیں کی اچھے کپڑے پہنے ہیں تو سب خاطر کر رہے ہیں۔ تم نے دراصل کپڑوں کی دعوت کی تھی، میں کپڑوں کو کھانا کھلا رہا ہوں تو تمھیں برا لگ رہا ہے۔ میاں میں تو وہی تب تھا جو اب ہوں
'SHAH' FEATURES SERVICE. DELHI-09718587o
دعوت میں موجود سبھی مہمانوں نے بھی یہ سب سنا۔ سب کے سب بہت شرمندہ ہوئے اور ہلال کے ساتھ انھوں نے بھی ناصرالدین سے معافی مانگی ■■

عجیب
باجا
چینی لوک کہانی
زمانہ ہوا منگولیا میں چؤ ہو نام کا ایک چرواہا تھا اس کے پاس 25 بھیڑیں تھیں وہ دن بھر انھیں چراتا اور شام کو اپنی کٹیا میں آجاتا اس کی دادی بھی ساتھ رہتی تھی، جس نے اس کے ماں باپ کی موت کے بعد اسے پالا تھا چؤ ہو کو گانے کا بڑا شوق تھا اور وہ بھیڑیں چراتے ہوئے بھی گاتا رہتا تھا
لوگ اس کی آواز پر جھوم جھوم جاتے تھے
ایک دن چؤ ہو گھر واپس آرہا تھا تو راستے میں ایک گھوڑے کا بچہ دکھائی دیا۔ بچہ اکیلا تھا۔
اوہو! گھوڑے کا یہ بچہ کتنا پیارا ہے!
اس نے بچے کو اٹھالیا اور اپنے گھر لے آیا۔
وہ جب اسے لے کر گھر پہنچا تو سب اس بچے کی تعریفیں کرنے لگے
چؤ ہو! تجھے کہاں مل گیا اتنا خوب صورت بچہ؟
ہاں! اتنا خوب صورت گھوڑے کا بچہ تو میں نے آج تک نہیں دیکھا
چؤ ہو اسے پالنے لگا۔ وہ بھیڑوں کے ساتھ اسے بھی لے جاتا اور اس کی خوب دیکھ بھال کرتا۔ وقت گزرتا گیا۔ چؤ ہو جوان ہو گیا اور اس کا گھوڑا بھی بڑا ہو گیا۔ دونوں کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوتے۔ چؤ ہو کی ایک آواز پر گھوڑا دوڑا چلا آتا اور اس کے پیر چاٹنے لگتا۔ چؤ ہو جب اس پر سوار ہوتا تو وہ آسمان سے باتیں کرنے لگتا۔ یہ دیکھ کر چؤ ہو دل ہی دل میں بہت خوش ہوتا۔

ایک رات چؤ ہو سو رہا تھا کہ گھوڑے کے ہنہنانے سے وہ جاگ گیا
یہ اتنی زور سے کیوں ہنہنا رہا ہے؟
وہ فوراً بستر سے اترا اور باہر دوڑا
اس نے دیکھا کہ ایک بھیڑیا اس کی بھیڑوں کو کھانے کے لیے حملہ کر رہا ہے لیکن گھوڑا اسے روکے ہوئے ہے۔
بھیڑیے نے چؤ ہو کو دیکھا تو بھاگ کھڑا ہوا
چؤ ہو فوراً گھوڑے پر سوار ہوا اور تیزی سے اس کا پیچھا کرنے لگا۔
پلک جھپکتے ہی گھوڑا بھیڑیے کے بالکل قریب پہنچ گیا
چؤ ہو نے رسّی کا پھندا بنا کر بانس کی مدد سے بھیڑیے کی گردن میں ڈالا اور اسے گھسیٹ لیا۔ بھیڑیے کی گردن میں رسّی کا پھندا پڑا تو بھیڑیا گر پڑا۔ چؤ ہو نے اسے وہیں مار ڈالا۔ اب چؤ ہو کو گھوڑے سے اور بھی زیادہ پیار ہو گیا۔
شاباش میرے شیر تو نے آج کمال کر کے دکھا دیا

کچھ دن بعد ملک کے بادشاہ نے ایک اعلان کرایا
سنو، سنو، سنو... بادشاہ سلامت شہزادی کی شادی کے لیے ای گھوڑ دوڑ کرا رہے ہیں۔ جو نوجوان اس مقابلے میں اول آئے گا اس کے ساتھ شہزادی کی شادی کرائی جائے گی
کیوں نہ میں بھی اپنی قسمت آزماؤں؟
چؤ ہو بھی مقابلے کے دن اپنے گھوڑے کو لے کر پہنچ گیا۔
وقت پر گھوڑ دوڑ شروع ہوئی چؤ ہو نے بھی اپنا پیارا گھوڑا دوڑا دیا۔ گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا اور آخر کار اس نے سب گھوڑوں کو پیچھے چھوڑ دیا۔ وہ جیت گیا تھا۔ سرکاری طور پر اس کے جیتنے کا اعلان کر دیا گیا۔ جب چؤ ہو بادشاہ کے دربار میں پہنچا تو بادشاہ اسے دیکھ کر حیران رہ گیا
اس چرواہے کے بچے نے مقابلہ جیتا ہے! میں تو سمجھا تھا کوئی شہزادہ ہوگا۔ میں اپنی لاڈلی بیٹی کی شادی اس سے کیسے کر سکتا ہوں؟
اس کے دل میں بے ایمانی آ گئی
بادشاہ بجائے اس کے کہ شہزادی سے شادی کی بات کرتا، چؤ ہو سے اس کا گھوڑا مانگنے لگا
یہ گھوڑا تمھارے لائق نہیں ہے اسے ہمیں دے دو
یہ مجھے اپنی جان سے پیارا ہے میں اسے کسی قیمت پر نہیں دوں گا
بادشاہ یہ سن کر غصے سے بھر گیا۔ اس نے سپاہیوں کو حکم دیا
اسے فوراً پکڑ لو اور گھوڑا چھین لو
سپاہیوں نے حکم کی تعمیل کی، اسے زخمی کر کے گھوڑا چھین لیا

...بعد میں اس باجے کو ماتھوچھن کہا جانے لگا۔ ماتھوچھن کے معنی ہیں گھوڑے کے سر والا باجا۔ یہ آج بھی چین میں منگول قوم کے چرواہوں کا پسندیدہ باجا ہے اور وہ اس کی مدھر آواز سے دن بھر کی ساری تھکن بھول جاتے ہیں! ■■

کامکس کی دونوں کہانیاں قومی اردو کونسل کی شائع کردہ کتاب 'ایشیا اور یورپ کی کہانیاں' سے لی گئی ہیں جس کے مرتب ہیں محمد قاسم صدیقی

کارٹون و مکالمے: سید واجد علی شاہ،
35 سیوا سدن بلاک، گلی نمبر 1 منڈاولی، دہلی 110092

مختار ٹونکی

ایک پہیلی ایک مٹھائی

میں ہوں بچو ایک مٹھائی
جس نے پائی فوراً کھائی
بچے بوڑھے مجھ کو کھاتے
چسکے لیتے، لذت پاتے
تم بھی اس کو شوق سے کھاؤ
لیکن پہلے نام بتاؤ
رس ہے مجھ میں میٹھا میٹھا
بالکل ہی رس گلے جیسا
چھوڑو بھی یہ ہلا گلا
مجھ کو مت کہنا رس گلا

لڈو جیسی ہے گولائی
پر اس جیسی شکل نہ پائی
تم پر کچھ الزام نہیں ہے
لڈو میرا نام نہیں ہے

جو بھی دیکھے تھال بھرے
منہ سے اس کے رال گرے
حلوائی کی پاری ہوں میں
سب کی راج دلاری ہوں میں
رس کو پی کر بیٹھی ہوں
سانپ کی کنڈلی لگتی ہوں
'ج' میں ''دلیبی'' جوڑ کے لاؤ
پھر دانتوں سے توڑ کے کھاؤ

مختار ٹونکی
کالی پلٹن روڈ۔ پل محمد خان ٹونک (راجستھان)

■ ادارہ

جولائی کا مہینہ
واقعات کے آئینے میں

جولائی، شمسی کلینڈر کا ساتواں مہینہ ہے اوراس کو یہ نام جولیس سیزرJulius Caesar کے نام پر دیا گیا ہے جو روم کا شہنشاہ تھا۔ جولیس سیزر نے سن 46 قبل مسیح میں، یعنی حضرت عیسیٰ کی ولادت سے 46برس پہلے رومن کلینڈر میں اصلاحات کی تھیں جو بعد میں جولین Julian کلینڈر کہلانے لگا۔ یہ کلینڈر پہلی مارچ سے شروع ہوتا تھا اوراس لحاظ سے یہ رومن سال کا

جولیس سیزر

پانچواں مہینہ ہوتا تھا اس لیے اسے لاطینی زبان میں Quintilis یعنی پانچواں مہینہ کہتے تھے۔ جولیس سیزر کے دور میں اسے جولائی کہا جانے لگا۔ بہت بعد میں جب پوپ گریگوری نے عیسوی کلینڈر کو نئی شکل دی تو جولائی شمسی سال کا ساتواں مہینہ ہوگیا۔

یہاں ایک اور دل چسپ بات آپ کو بتاتے ہیں۔ اس شمسی سال کے 9ویں مہینے کو ستمبرSeptember کہتے ہیں جب کہ یہ لفظseptet سے بنا ہے اوراس کا مطلب ہوتا ہے ساتواں۔ دراصل رومن کلینڈر میں یہ ساتواں ہی مہینہ تھا۔ پوپ گریگوری نے اس کا نام تبدیل نہیں کیا چنانچہ آج ساتویں مہینے

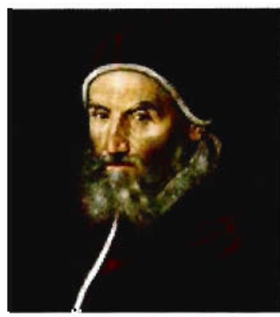

کونواں مہینہ کہتے ہوئے عجیب سا لگتا ہے! یہی صورت اکتوبر، نومبر اور دسمبر کی ہے جو اسی ترتیب سے لفظOcta(آٹھواں)ennead (نواں) اور لفظDeca(دسواں) سے بنے ہوئے لفظ ہیں۔یعنی یہ رومن کلینڈر کے آٹھویں، نویں اور دسویں مہینے ہیں جب کہ آج کے حساب سے یہ دسواں، گیارہواں اور بارہواں مہینہ بن گئے ہیں۔ ہے نا کچھ عجیب سا معاملہ!

جولائی زمین کے شمالی آدھے حصے کے موسم گرما کا دوسرا مگر سب سے گرم مہینہ ہے۔لیکن زمین کے جنوبی حصے میں یہ ہمارے جنوری جیسا موسم رکھتا ہے۔جنوبی ایشیا میں یہ بارشوں کا مہینہ بھی ہوتا ہے۔

کئی ملکوں کا یوم آزادی اسی مہینے میں ہے۔ ان میں امریکہ U S A(4جولائی) بیلا روس(3جولائی)وینیزویلا(5 جولائی) ارجنٹائنا(9جولائی) بلجیم(4جولائی) بہاماس(10جولائی) اور مالدیپ(26جولائی) شامل ہیں۔فرانس کا قومی دن 14جولائی اور کناڈا کا قومی دن پہلی جولائی کو منایا جاتا ہے۔

آیئے اب اس مہینے میں ہندوستان اور باقی دنیا میں پیش آنے خاص واقعات پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

پہلی جولائی:1852میں اس روز ایشیا میں پہلی بار عام لوگوں کے استعمال کے لیے کراچی، سندھ سے ڈاک ٹکٹ جاری کئے گئے۔تب یہ علاقہ ہندوستان میں ہی ہوا کرتا تھا۔ 1968میں اس دن ایشیا کی سب سے پہلی ایٹمی تحقیقی تجربہ گاہ نئی دہلی میں قائم ہوئی۔

2جولائی:1881میں واشنگٹن کے ریلوے اسٹیشن پر امریکی صدر جیمس

جیمس اے گارفیلڈ

اے گارفیلڈ کو گولی ماردی گئی جس سے 19 ستمبر کو ان کی موت ہوگئی۔

3 جولائی: 1988 میں اس روز امریکی بحری فوج کے داغے گئے ایک میزائل سے ایرانی مسافر بردار ہوائی جہاز تباہ ہوگیا جس سے تمام 290 مسافروں کی موت ہوگئی۔ بعد میں امریکیوں نے کہا کہ ایسا انسانی غلطی سے ہوا تھا۔ 1972 میں محترمہ اندرا گاندھی اور پاکستان کے ذوالفقار علی بھٹو نے ہتھیار استعمال نہ کرنے کے سمجھوتے پر شملہ میں دستخط کئے۔

ٹیپو سلطان

4 جولائی: انگریزوں کی ایسٹ انڈیا کمپنی نے میسور کے بادشاہ ٹیپو سلطان کے خلاف حیدراباد کے نظام اور پونہ کے پیشوا سے یہ سمجھوتہ کیا کہ وہ ٹیپو کے علاقے پر حملہ کریں گے اور جیتا ہوا علاقہ تینوں آپس میں تقسیم کرلیں گے۔ امریکہ میں کانٹی نینٹل کانگریس نے برطانیہ سے مکمل آزادی کا اعلان کیا مگر انگلینڈ کے بادشاہ جارج سوئم نے کہا یہ بغاوت ہے۔

6 جولائی: لوئی پاسچر Louis Pasteur نے 1885 میں جانوروں کے کاٹ لینے سے ہونے والی خطرناک بیماری Rabies کا ٹیکہ ایجاد کیا اور ایک لڑکے پر اس کا کامیاب تجربہ کیا جسے پاگل کتّے نے کاٹ لیا تھا۔

لوئی پاسچر

7 جولائی: انگریزوں نے 1763 میں میر جعفر کو بنگال کا نواب بنایا۔

8 جولائی: 1954 میں پنڈت جواہر لال نہرو نے بھاکڑہ ننگل پنجاب میں بنائے گئے دنیا کے سب سے لمبے باندھ کا افتتاح کیا۔ اس باندھ کی لمبائی اس کے اوپر بنی ہوئی سڑک کی لمبائی کے مطابق 518 میٹر ہے۔

محترمہ اندرا گاندھی

11 جولائی: 1980 کو محترمہ اندرا گاندھی دوبارہ حکومت میں واپس آئیں اور ہندوستان نے خود اپنی خلائی گاڑی سے اپنا مصنوعی سیارہ یا سیٹیلائٹ Satellite خلا میں بھیجا۔

12 جولائی: چھترپتی شواجی مہاراج نے 1674 میں 'ایسٹ انڈیا کمپنی' سے دوستی کا معاہدہ کیا جس کا نام اس وقت برٹش مرچنٹ آف ایسٹ انڈیا تھا۔

14 جولائی: 1789 میں بیستیل Basille کی بغاوت کے ساتھ فرانس کے انقلاب کی شروعات ہوئی۔

16 جولائی: 1954 میں پنڈوچیری (تمل ناڈو) کے ضلع ماہے میں فرانسیسی حکومت کا خاتمہ ہوا اور وہاں ہندوستانی پرچم لہرایا گیا۔ امریکی ایٹم بم 'فیٹ بوائے' Fat Boy کا 1945 میں صبح ساڑھے پانچ بجے نیو میکسیکو کے ریگستان میں تجربہ کیا گیا جس سے 41 ہزار فٹ اونچی دھول کی ایک چھتری سی کھڑی ہوگئی۔ اس بم سے سورج کے اندر کے درجہ حرارت سے بھی زیادہ گرمی پیدا ہوئی جس سے ایک میل کے دائرے میں ہر طرح کی زندگی اور پیڑ پودوں و جانوروں کا صفایا ہوگیا۔

17 جولائی: 1996 میں تمل ناڈو کی راجدھانی مدراس کا نام بدل کر چینئی Chennai کردیا گیا۔

18 جولائی: 1980 میں مدراس دوردرشن نے سہ پہر میں ایک گھنٹے کا پہلا رنگین ٹرانسمیشن شروع کیا۔ دہلی دوردرشن نے اسی روز اسے

دوبارہ ٹیلی کاسٹ کیا۔

19 جولائی:حکومتِ ہند نے 1969 میں ملک کے 14 بڑے تجارتی بنکوں کوایک صدارتی آرڈیننس کے ذریعے اپنے قبضے میں لے لیا۔

20 جولائی:1969 میں انسان نے پہلی بار چاند پر قدم رکھا اور امریکی

نیل آرم اسٹرانگ چاندگاڑی کی سیڑھی سے چاند پر اترتے ہوئے، بائیں طرف ہماری زمین چاند کی طرح نظر آرہی ہے

خلاباز نیل آرم اسٹرانگ کو دنیا بھر میں ٹیلی ویژن پر یہ واقعہ دیکھنے والے کروڑوں لوگوں نے اپنے راکٹ کی سیڑھی سے پہلا قدم چاند کی سرزمین پر رکھتے وقت یہ کہتے ہوئے سنا کہ ''آدمی کے لیے یہ محض ایک قدم ہے لیکن انسان کے لیے یہ ایک بڑی چھلانگ ہے!'' 1955 میں اسی روز مصر کے حکمراں جمال عبدالناصر نے

سوئز نہر پر مصر کے قبضے کا اعلان کردیا۔

21 جولائی:1899 میں انگریزی کے نوبل انعام یافتہ ادیب ارنسٹ ہیمنگ وے Ernest Hemmingway امریکہ میں پیدا ہوئے اور 1961 میں بیمار ہونے کے بعد اسی مہینے کی دو تاریخ کو انھوں نے خود کو گولی ماری۔ ان کی کتابوں کے دنیا کی سبھی بڑی

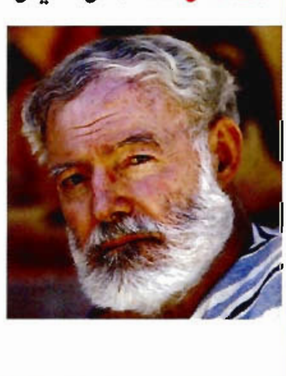

زبانوں میں ترجمے ہوئے ہیں۔The Sun Also Rises اور The Old Man And The Sea ان کے مشہور ناول ہیں۔

24 جولائی: مشہور فرانسیسی ڈرامہ نویس اور ناول نگار الیگزینڈر دوما 1802 میں پیدا ہوئے۔ دی کونٹ آف مانٹے کرسٹو اور تھری مسکیٹیرز ان کے مشہور ترین ناول ہیں۔

26 جولائی:2000 میں حکومت ہند نے 14 سال سے کم عمر کے بچوں

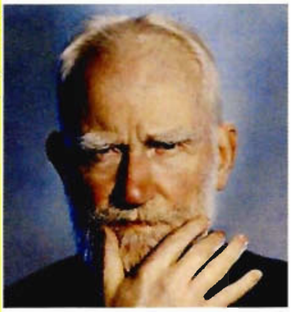

کو سرکاری ملازموں کے یہاں کسی بھی قسم کی نوکری پر رکھنے کو جرم قرار دے دیا۔ مشہور ڈرامہ نگار اور دانش ور جارج برنارڈ شا 1856 میں ڈبلن میں پیدا ہوئے اور 94 برس کی عمر میں 2 نومبر 1950 کو ان کا انتقال ہوا۔

28 جولائی:1972 میں ہندوستان اور پاکستان نے کشمیر کے مسئلے سے متعلق شملہ سمجھوتے پر دستخط کئے۔

شملہ سمجھوتہ کی یادگار تصویر میں ذوالفقار بھٹو، اندرا گاندھی اور بے نظیر بھٹو

31 جولائی:1861 میں ہندوستان کے چیراپونجی میں جولائی کے پورے مہینے میں 9300 ملی میٹر بارش ہوئی جو ایک ورلڈ ریکارڈ ہے۔■■

بانو سرتاج

گھڑی کی کہانی

گھڑی کب وجود میں آئی؟ کس زمانے میں آئی؟ آج تک کا گھڑی کا سفر کیسا رہا؟ یہ جاننا بے حد دلچسپ ہے۔ آیئے وقت کو ناپنے کے اس سفر پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

وقت کی اہمیت بہت پہلے تسلیم کر لی گئی تھی۔ دن کام کے لیے اور رات آرام کے لئے مخصوص تھی مگر کام کو ٹھیک سے انجام دینے کے لیے دن کے وقت کو ناپنا بھی ضروری تھا اس لیے دن کو اس طرح تقسیم کیا گیا۔ سورج کا طلوع ہونا (صبح) سورج کا سر پر آنا (دوپہر) سورج کا ڈھلنا (سہ پہر) سورج کا ڈوبنا (شام) تیرہویں صدی میں مصری سائنس داں ابوالحسن نے دن کو 24 گھنٹوں میں اور ایک گھنٹے کو 60 منٹ میں تقسیم کر دیا تھا۔ یونان اور بابل ونینوا Mesopotamia میں بھی دن 24 گھنٹوں میں تقسیم ہو چکا تھا۔

باقاعدہ گھڑیوں میں سب سے پہلے سن ڈائل گھڑی Sun Dial Clock مصر میں تیار کی گئی۔ اس کی تکنیک مکمل طور پر سورج کے سائے پر ٹکی ہوئی تھی۔ اس کے لیے سب سے پہلے ایک گول پلیٹ Circular Disc تیار کی گئی اور اس پر 12 ہندسے لکھے گئے۔ درمیان میں ایک لکڑی اس طرح کھڑی کی گئی کہ سورج کی روشنی میں رکھے جانے پر درمیانی لکڑی کا سایہ کسی نہ کسی ہندسے پر پڑتا رہے۔ جس نمبر پر سایہ پڑتا، وہی دن کا وقت مان لیا جاتا۔

اس گھڑی کے ساتھ مشکل یہ تھی کہ یہ صرف دن کا وقت بتا سکتی تھی۔ سورج ڈوب جانے کے بعد کا نہیں۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے پانی کی گھڑیاں Water Clock ایجاد کی گئیں۔

مصر میں ہی پانی کی پہلی گھڑیاں بنیں۔ اس کے لئے 2 برتن لئے جاتے۔ چھوٹے برتن میں ایک سے 12 تک ہندسے لکھے جاتے۔ برتن کے پیندے میں سوراخ کر دیا جاتا اور پھر چھوٹا خالی برتن پانی بھرے ہوئے بڑے برتن میں رکھ دیا جاتا۔ چھوٹے سوراخ سے پانی چھوٹے برتن میں پہنچتا اور ایک وقت میں پانی جس ہندسے کو چھوتا وہ

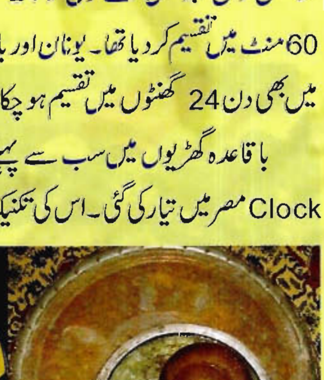

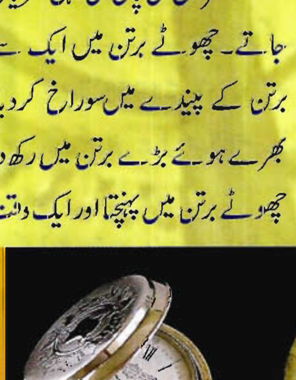

اوپر دائیں، ریت گھڑی، بائیں شمع گھڑی، نیچے دائیں سے پانی گھڑی، گھڑی بنانے میں اسپرنگ کا استعمال، جیبی گھڑی اور الارم ٹائم پیس

اس دن کا وقت ٹھہرتا۔ پانی کی یہ گھڑی دن اور رات کے لئے یکساں طور پر مفید ثابت ہوئی۔ وقت گذرنے کے ساتھ یونان میں واٹر کلاک پر کافی ریسرچ ہوئی کیونکہ انہوں نے سال کو 12 مہینوں میں تقسیم کرنے کے بعد ایک مہینے کو 30 دنوں میں بھی تقسیم کر دیا تھا۔

ان ہی دنوں انگلینڈ کے بادشاہ الفریڈدی گریٹ نے موم بتی گھڑی Candle Clock بنائی۔ ایک بڑی موم بتی پر 12 نشان برابر فاصلے پر بنا دیے جاتے۔ طلوعِ آفتاب کے وقت موم بتی جلادی جاتی، اور پھر ایک مخصوص ہندسہ تک جتنی وہ جلتی اس سے وقت کا تعین کیا جاتا۔

وقت کا سب سے درست حساب لگانے کی شروعات دھات کے پرزوں کی بنی ہوئی ان گھڑیوں سے ہوئی جو اسپرنگ spring کی طاقت سے چلتی تھیں۔ اسپرنگ کو چابی بھر کر لپیٹ دیا جاتا تھا اور جب وہ اپنے تناؤ کو دور کرنے کے لیے کھلنے لگتا تو اس طاقت سے پرزے گھومتے اور پرزوں کے ساتھ گھنٹے اور منٹ کی سوئیاں بھی ایک ڈائل Dial پر بنے ہوئے ہندسوں کے اوپر گھومتی ہوئی وقت بتاتی رہتیں۔ پہلے پہل بننے والی یہ گھڑیا ل اتنی بڑی ہوتی تھیں کہ انھیں دیواروں اور میناروں پر لگا جاتا تھا۔ پھر چھوٹی گھڑیاں، یہاں تک کہ جیب میں آجانے والی اور کلائی پر بندھنے والی گھڑیاں بھی بننے لگیں، جن میں ایک تیسری سوئی بھی لگادی گئی جو سیکنڈ بھی بتا دیتی تھی۔ دیوار والی گھڑی میں پینڈولم کا بھی ضافہ کر دیا گیا جس سے گھڑی اور بھی درست وقت بتانے لگی۔

بیسویں صدی کے آغاز سے گھڑیوں میں بجلی بھی استعمال ہونے لگی۔ 1906 تک بیٹریوں نے گھڑی کے اندر جگہ حاصل کر لی۔ بیسویں صدی کو گھڑی کے ارتقاء کا سنہری دور مانا جاتا ہے۔

ہاں اس دوران ایک اہم بات یہ ہوئی کہ دن رات کے چوبیس گھنٹوں کو بارہ گھنٹوں کے دو حصوں میں تقسیم کرنے وقت کو ناپنا اور آسان ہوگیا تھا۔ ایک حصے کو اے ایم ante meridiem اور دوسرے کو پی ایم post meridiem کہا جانے لگا۔ میریڈیم meridiem لاطینی لفظ ہے جس کا مطلب ہے دو پہر۔ ante meridiem یا AM کے معنی ہیں دوپہر سے پہلے اور post meridiem یا PM کا مطلب ہے دوپہر بعد۔ انگلینڈ کے گرین وچ مقام سے وقت کی پیائش کو کنٹرول کیا جاتا ہے۔ یہ گرین وچ مین ٹائم Greenwich Mean Time یا GMT کہلاتا ہے۔ اس کے علاوہ ہر ملک کا اپنا سسٹم ہوتا ہے جسے وہاں کا معیاری وقت کہتے ہیں۔

اب دنیا بھر کی اہم اور خاص گھڑیوں کے بارے میں جانتے ہیں۔ دنیا کی سب سے بڑی دھوپ گھڑی جے پور میں ہے۔ 1724 عیسوی میں جے پور کے سمراٹ سوائی جے سنگھ نے اسے بنوایا تھا۔ اس کی مرکزی کھونٹی کی اونچائی 27 میٹر ہے۔ دنیا کی سب سے بڑی دیوار گھڑی فرانس کے سینٹ پیٹرز کیتھیڈ رل میں لگی ہوئی ہے۔ یہ Astronomical Clock ہے۔ 1865 میں بنائی گئی یہ گھڑی دو میٹر اونچی اور 6.09 میٹر چوڑی ہے، اور یہ بہت سے ملکوں کے وقت ایک ساتھ بتانے کے علاوہ، چاند سورج اور ستاروں کی اس وقت کی پوزیشن اور اہم سمندری ساحلوں پر جوار بھاٹا یعنی سمندر کی لہروں کے کے چڑھاؤ اور اتار کے وقت بھی بتاتی ہے۔

دنیا کی سب سے بڑے ڈائل والی گھڑی جاپان میں ہے۔ 1928 میں بنائی گئی یہ گھڑی 18 میٹر چوڑی ہے۔ 1504 میں نیورے برگ (جرمنی) میں ہین لین کی بنائی ہوئی گھڑی دنیا کی سب سے قدیم گھڑی مانی جاتی ہے۔ دنیا میں سب سے پہلی کلائی گھڑی Wrist Watch جینوا میں 1790 میں بنائی گئی تھی۔

دنیا کی سب سے قیمتی گھڑی جینیوا میں 13 مئی 1986 میں 670250 پونڈ میں نیلام ہوئی۔ اسے 1950 میں جیمن کرافورڈ نے

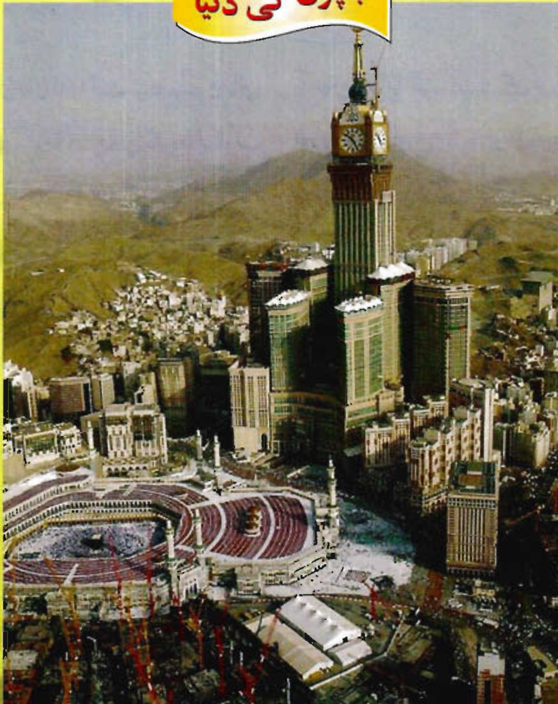

دنیا کی سب سے اونچی گھڑی 'برج البیت' جسے مکّہ گھڑی بھی کہتے ہیں

بنایا تھا۔ 1993 میں گرینڈلے کمپنی نے ایک گھڑی بنائی تھی جس کی قیمت 2,10,000 پونڈ تھی۔

بڑی اور وزنی گھڑیوں کا اپنا الگ ریکارڈ ہے۔ دنیا کی سب سے بڑی گھڑی امریکہ میں ایلین ہیڈلی کمپنی کی عمارت پر لگی ہوئی ہے۔ اس کا ہر ڈائل 12.28 میٹر وسیع ہے۔ اس گھڑی کی منٹ کی سوئی 6.09 میٹر لمبی ہے۔ کوپن ہیگن (ڈنمارک) کے ٹاون ہال میں 4 ٹن وزنی گھڑی لگی ہوئی ہے۔ اس میں ایک لاکھ دس ہزار پرزے لگے ہوئے ہیں۔ سب سے بڑا ڈائل مقامی وقت بتاتا ہے یہ گھڑی طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کا وقت بتاتی ہے، لیپ ایئر یا لوند کے سال کی معلومات دیتی ہے، ستاروں کی حالت سے آگاہ کرتی ہے، سورج، چاند اور زمین کے حالات سے واقف کراتی ہے، سورج اور چاند گرہن کے بارے میں بتاتی ہے۔ اس گھڑی کا بڑا ڈائل 31 دسمبر کو رات 12 بجے صرف پانچ منٹ میں سال بھر کے اہم واقعات پر روشنی ڈالتا ہے۔

لیکن دنیا کی سب سے اونچی گھڑی مکّہ گھڑی ہے جو خانہ کعبہ کمپلیکس کے باہر ایک بلند و بالا ہوٹل کمپلیکس کے اوپر بنائے ہوئے مینار پر لگی ہوئی ہے اور اس 'گھنٹہ گھر' کو 'برج البیت' کا نام دیا گیا ہے۔ اس کے چاروں طرف لگی ہوئی گھڑیاں 25 کلومیٹر دور سے بھی دیکھی جاسکتی ہیں۔ تین ارب ڈالر کی لاگت سے بنا ہوا یہ کلاک ٹاور سطح زمین سے 601 میٹر یعنی 1972 فٹ اونچا ہے۔ اس کی گھڑی کا 43 میٹر چوڑا اور اتنا ہی لمبا فریم دنیا کا سب سے بڑا گھڑی فریم ہے۔ اس ٹاور میں بنے ہوئے کمروں میں ایک لاکھ لوگ رہ سکتے ہیں۔ یہاں ایک اسلامک میوزیم اور رویت ہلال (اسلامی مہینوں کا چاند دیکھنے) کا مرکز بھی بنا ہوا ہے۔

بڑی اور وزنی گھڑی کے ساتھ اب سب سے ہلکی گھڑی پر بھی نظر ڈالتے ہیں۔ سوئزرلینڈ میں جاگرلے فلپ نے ایک سینٹی میٹر لمبی اور 0.476 میٹر چوڑی گھڑی بنائی۔ جس کی موٹائی 0.98 ملی میٹر ہے۔ اس گھڑی کا وزن صرف 7 گرام ہے۔

اب جانتے ہیں آج کل کی چند عجیب وغریب گھڑیوں کے بارے میں: بھارت کے مہیش نگم نے سلانے والی یا نیند لانے والی گھڑی بنائی ہے۔ یہ گھڑی ایک خاص طرح کی لہریں چھیڑتی ہے جسے سن کر نیند آجاتی ہے۔ بے خوابی کے مریضوں کے لئے یہ گھڑی عمدہ دوا ثابت ہورہی ہے۔ ایک گھڑی اٹلی میں ایسی بنائی گئی ہے جو اس کے خالق کے دعوے کے مطابق بے ہوش اشخاص اور مُردوں کے سوا ہر ایک کو جگا سکتی ہے۔ بعض اوقات لوگ الارم پر بھی نہیں جاگتے۔ مگر یہ گھڑی سب کو جگا کر چھوڑتی ہے۔ اس میں پہلے الارم بجتا ہے پھر آواز دھیرے دھیرے تیز اور خوفناک ہوتی جاتی ہے جیسے کار کا ہارن، ٹرک کا ہارن اور پھر توپیں چلنے لگتی ہیں۔ امریکہ کے شکاگو میں سائنس اینڈ انڈسٹریز میوزیم میں لگی گھڑی وقت کے ساتھ لمحہ لمحہ بڑھتی دنیا کی آبادی کی خبر دیتی ہے۔ جاپان کی ایک کلائی گھڑی وقت بتانے کے ساتھ پہننے والے کے بلڈ پریشر کا حال بتاتی ہے اور پچھلے اور حالیہ بلڈ پریشر کا گراف بھی دکھاتی ہے۔

1986 میں جاپان میں ہی بنی ایک گھڑی اپنے مالک کو مستقبل اور حال سے واقف کراتی ہے۔ اس کا دن کیسا گذرے گا؟ یہ بھی بتاتی ہے۔ امریکہ میں ایک جھوٹ پکڑنے والی گھڑی بنائی گئی ہے۔ اسے

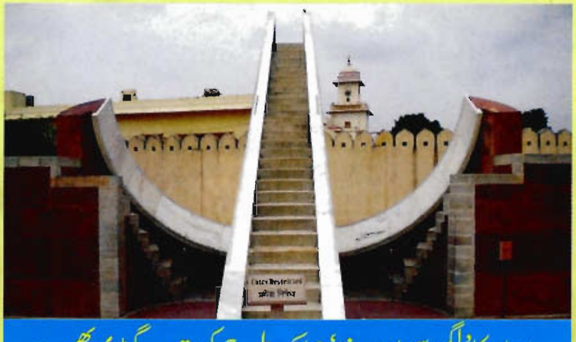

جے پور کا 'لگھو سمراٹ ینتر' جو ایک طرح کی دھوپ گھڑی بھی ہے

کلائی پر باندھا جاتا ہے۔ پہننے والا اگر جھوٹ بولتا ہے تو اس کے ڈائل سرخ ہوجاتے ہیں۔ سیکونیکسٹ ٹائم ردم Seko Next Time Rhythm گھڑی میں لگا ایک بٹن دبانے اور تاریخ پیدائش بتانے پر گراف کے ذریعہ استعمال کرنے والے کی زندگی کے تمام حالات بتادتی ہے۔ کولکاتا کے سینٹرل لاس اینڈ سریمک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ایک سائنسداں نے نے ایک گھڑی بنائی ہے جو ایٹمی خطروں سے آگاہ کرتی ہے۔ سوئزرلینڈ میں بندوق کی شکل کی گھڑی بنائی گئی۔ ٹریگر دبانے پر اس میں سے عطر کی بوچھار ہوتی تھی۔ الجیریا کے ایک باغ میں ایسی گھڑی ہے جس میں طرح طرح کے پھول کھلے نظر آتے ہیں اسے پھول گھڑی کہا جاتا ہے۔ حیدر آباد کے نظام کے پاس ایک گھڑی تھی جس میں ایک بند دروازہ نظر آتا تھا۔ ایک گھنٹے پر اس میں سے ایک پتلا باہر نکل کر آتا۔ دو گھنٹہ پر دو پتلے باہر آتے۔ حیدر آباد کے میوزیم میں یہ گھڑی آج بھی محفوظ ہے۔ میوزیم دیکھنے آنے والے بارہ بجے کے وقت وہاں موجود رہتے ہیں۔ کیونکہ اس وقت بارہ پتلوں کو دیکھنے کا موقع ملتا ہے۔ بھارت کے بنگلورو (بنگلور) کے ریلوے اسٹیشن کے نزدیک ایک ہوٹل کی چھت پر 16x20 فٹ کی ایک الکٹرانک گھڑی نصب ہے۔ یہ گھڑی کمپیوٹر سے چلتی ہے۔ بجلی گل ہونے پر از خود بیٹری سے کام کرنے لگتی ہے۔ کوپن ہیگن (ڈنمارک) کے ٹاون ہال میں لگی گھڑی کے 12 حصے ہیں۔

نابینا لوگوں کے لئے ایک ایسی گھڑی بنائی گئی تھی جس میں بٹن دبانے پر موسیقی کی لہریں نکلتیں اور پھر گھنٹے بجتے ہیں، جسے سن اور گن کر نابینا لوگ ٹائم جان لیتے۔ کینیا واچ کمپنی (سوئزرلینڈ) کی اسلامی قمری مہینوں والی گھڑیوں کی وجہ سے اسلامی تہواروں مثلاً عیدالفطر، عیدالضحیٰ، عید میلادالنبی، شب برات، حج وغیرہ میں سہولت ہوگئی ہے۔ 1980 میں سوئزرلینڈ نے ایک ایسی گھڑی بنائی جس سے خانۂ کعبہ کی سمت کا بآسانی تعین ہوجاتا ہے۔ اکثر غیر اسلامی ملکوں، غیر مانوس مقامات اور صحراؤں میں نماز ادا کرنے کے لئے خانۂ کعبہ کی سمت کا اندازہ نہیں ہوتا تب یہ گھڑی بہت کام آتی ہے۔ یہ گھڑی رمضان میں سحر و افطار کے اوقات سے بھی واقف کراتی ہے۔ 1984 میں جاپان کی ایک فرم نے جینیوا کے ایک اسلامی مالیاتی ادارے کے آرڈر پر ایک گھڑی تیار کی۔ یہ گھڑی پانچوں وقت کی نمازوں (فجر سے عشا تک) کے وقت پر اذان نشر کرتی ہے جس سے بروقت اطلاع مل جاتی ہے اور نماز ادا کرنے میں کوتاہی نہیں ہوتی ہے۔ یہ گھڑی دنیا کے مختلف مقامات سے قبلہ کی درست سمت بھی بتاتی ہے۔

گھڑی وقت بتانے کا آلہ ہے۔ اس میں غلطی ہوسکتی ہے۔ وقت آگے پیچھے ہوسکتا ہے کیونکہ وہ آخر مشین ہے مگر دنیا میں ایسی بھی گھڑیاں بنائی گئی ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ کبھی غلط وقت نہیں بتائیں گی۔ اگر ایکادھ سکینڈ کا فرق ہوگا بھی تو لاکھوں کروڑوں برسوں میں ہوگا۔ 1955 میں کوپن ہیگن (ڈنمارک) کے ٹاون ہال میں نصب گھڑی ہمیشہ صحیح وقت بتاتی ہے۔ اس کا نام اولسینین ہے۔

1964 میں واشنگٹن کی ریسرچ لیبارٹری میں لگائی گئی گھڑے کے بارے میں دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ 17 لاکھ برسوں میں ایک سیکنڈ کا فرق کرسکتی ہے۔ بس! 1985 میں روس میں بنائی گئی ایک گھڑی کے بارے میں کیا جاتا ہے کہ وہ ایک کروڑ برسوں میں ایک سیکنڈ کی غلطی کرسکتی ہے، اس سے زیادہ ہرگز نہیں۔ □

ڈاکٹر بانو سرتاج
بالمقابل آکاش وانی، سول لائنز، چندر پور۔442401 مہاراشٹر

نکہت پروین

ہندوستانی ہیرے

ہر زمانے میں ہیرے کی قدر و قیمت رہی ہے۔ بادشاہ ہو یا عام آدمی، ہرایک اس کی چمک کے شیدائی رہے ہیں۔ کسی نے اسے ستاروں کی چمک کہا تو کسی نے آنسو کا قطرہ۔ پرانے زمانے میں ہندوستانی ہیروں کی دنیا بھر میں شہرت تھی، لیکن ان مشہوراور بے حد قیمتی ہیروں میں سے سے زیادہ تر نایاب اور ہماری نظروں سے غائب ہو چکے ہیں۔

ہیرے کو انگریزی میں ڈائمنڈ کہتے ہیں۔ یہ یونانی زبان کے لفظ adámas سے آیا ہے جس کا مطلب ہے وہ جسے توڑا نہ جاسکے۔ زیادہ تر ہیرے آتش فشاں چٹانوں یا سمندر میں پائے جاتے ہیں۔ ہیروں کی تلاش کے لئے ہر سال 3 سے 5 ملین ٹن چٹانوں کو دھماکے سے ٹکڑے ٹکڑے کیا جاتا ہے۔ عام طور پر ہیرے کا رنگ سفید ہوتا ہے لیکن سرخ، نارنگی، زرد، سبز اور سیاہ ہیرے بھی پائے جاتے ہیں۔ ان میں سبز ہیرا سب سے پیارا ہوتا ہے۔

ہیرا زمین پر پائی جانے والی چیزوں میں سب سے سخت ہوتا ہے۔ یہ کاربن کی خالص ترین شکل ہے۔ اگر اسے کوئلے کی بھٹی میں 763 درجہ حرارت پر گرم کیا جائے تو یہ پورے طور پر غائب ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ اس کی راکھ بھی نہیں بچے گی۔ بس تھوڑی سی کاربن ڈائی آکسائڈ گیس نکلے گی۔

اٹھارہویں صدی میں جنوبی افریقہ اور برازیل میں ہیروں کی کانوں پتہ چلنے سے پہلے دنیا بھر میں گول کنڈہ کی ہیرے کی کان سے نکلنے والے ہندوستانی ہیروں کی شہرت تھی۔

چند ہندوستانی بادشاہوں کو ہیروں کا بہت شوق تھا۔ بابر اور اکبر آگرہ ڈائمنڈ نامی ہیرے اپنے عمامے میں باندھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ ہیرے ان کی اچھی قسمت کی نشانی ہیں۔ ہیرے کے جادوئی اثرات پر کچھ بادشاہوں کو اتنا یقین تھا وہ جنگ کے میدانوں تک اسے ساتھ لے کر چلتے تھے اور اسے دشمنوں پر فتح کے لئے نیک شگون مانتے تھے۔

ملکہ برطانیہ کے تاج میں جڑے ہوئے کوہ نور کے بارے میں طرح طرح کی باتیں مشہور ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ اتنا قیمتی ہے کہ اسے بیچ کر دنیا کے تمام لوگوں کو ڈھائی دن کی خوراک مہیا کرائی جاسکتی ہے۔ بہت سے لوگ اسے خوش قسمتی لانے والا ہیرا سمجھتے تھے اور بہت

سے اسے منحوس اور آفت لانے والا ہیرا سمجھتے ہیں۔ جس کے پاس بھی یہ گیا اس کی حکومت جاتی رہی۔ یہاں تک کہ جب یہ انگریزوں کے ہاتھ لگا تو یوروپ سے باہر ان کی کئی بڑی حکومتیں ختم ہوگئیں جن میں ہندوستان کی حکوت بھی شامل تھی۔ یہ بھی مشہور تھا کہ یہ ہیرا صرف مرد کو نقصان پہنچاتا ہے عورتیں اس کی نحوست سے بچی رہتی ہیں۔ چنانچہ ملکہ وکٹوریہ نے اسے اپنے تاج میں پہنا تھا۔ بعد میں اسے توڑ کر کئی حصوں میں تقسیم کیا گیا اور اب یہ تاج برطانیہ کی زینت بنا ہوا ہے جو عجائب گھر میں محفوظ ہے۔

سب سے وزنی ہیرا: دنیا میں سب سے وزنی ہیرا ہندوستان کا گریٹ مغل ہیرا ہے۔ 1650 میں جب یہ ہیرا گول کونڈا کی کان سے نکالا گیا تو اس کا وزن 787 قیراط تھا یعنی کوہ نور سے یہ تقریباً چھ گنا وزنی تھا۔ بعض ماہرین کا کہنا ہے کہ کوہ نور بھی گریٹ مغل کا ہی ایک حصہ ہے۔ اسے دریائے نور بھی کہتے ہیں۔ ایران کا ظالم بادشاہ نادر شاہ درّانی دہلی میں مغل بادشاہ محمد شاہ کی رعایا کے قتلِ عام کے بعد تختِ طاؤس اور کوہِ نور کے ساتھ دریائے نور بھی اپنے ساتھ لے گیا تھا جو اَب ایران کے سرکاری بنک میں محفوظ ہے۔ 1665 میں ہیروں کے ایک فرانسیسی سوداگر نے اسے دنیا کا سب سے بڑا تراشا ہوا ہیرا قرار دیا تھا۔ نادر شاہ کے تاج اور خزانے کی شان یہ ہیرا آج وقت کی خراد پر گھس کر 182 قیراط کا ہو چکا ہے۔

اصل کوہِ نور کی سخت کانچ سے بنائی گئی نقل

تاجِ برطانیہ میں جڑا ہوا کوہِ نور

نایاب ہندوستانی ہیرے: زمین کی تہہ سے بادشاہوں کے تاج تک اور اس کے بعد وہاں سے تاریکیوں میں گم ہوجانے والے ہندوستانی ہیروں کی کہانی بے حد دلچسپ ہے۔ طویل عرصے سے لاپتہ احمد آباد ڈائمنڈ بادشاہ بابر نے 1526 میں پانی پت کی لڑائی میں ابراہیم لودھی کے حمایتی گوالیار کے راجہ بکرم جیت کو شکست دے کر حاصل کیا تھا، اس وقت 71 قیراط وزن کا یہ ہیرا دنیا کے 16 سب سے بیش قیمت ہیروں میں شامل تھا۔ ہلکے گلابی رنگ کے 32.2 قیراط وزن کے اس آگرہ ڈائمنڈ نامی ہیرے کو شفاف ترین بنانے والے دنیا کے سب سے مشہور ادارے جیمولوجیکل انسٹی ٹیوٹ آف امریکہ نے وی ایس۔2 (VS-2) گریڈ کا درجہ دیا ہے۔ اس ہیرے کو آخری بار 1990 میں لندن کے کرسلے آکشن ہاؤس کی نیلامی کے موقع پر دیکھا گیا تھا جہاں سے ہانگ کانگ کی شیبا کارپوریشن نے اسے فون کے ذریعہ لگائی گئی بولی میں 6.9 ملین ڈالر (تقریباً 34 کروڑ روپے) میں خریدا تھا، تب سے یہ بیش قیمت ہیرا لاپتہ ہے۔ اسی طرح ناشپاتی کے سائز کے 78.8 قیراط کے سلطنت اودھ کی ملکہ بیگم حضرت محل کے احمد آباد ڈائمنڈ نامی ہیرے کو 1995 میں کرسلے میں 4.3 ملین ڈالر یعنی تقریباً 20 کروڑ 75 لاکھ روپے میں نیلام کیا گیا تھا۔ یہ ہیرا بھی

غالباً اس وقت کسی باہر کے ملک میں موجود ہے۔ 1702 میں دی ریجنٹ ڈائمنڈ گول کنڈہ کی کان سے نکالا گیا۔ اس وقت اس کا وزن 410 قیراط تھا۔ مدراس کے اس زمانے کے گورنر ولیم پٹ کے ہاتھوں سے گذرتا ہوا دی ریجنٹ فرانسیسی انقلاب کے بعد نپولین بونا پارٹ تک پہنچا۔ نپولین کو یہ ہیرا اتنا پسند آیا کہ اس نے اسے اپنی تلوار کے قبضہ میں جڑ دیا۔ اب 160 قیراط کا ہو چکا یہ ہیرا پیرس کے لوورے میوزیم میں محفوظ ہے۔

190.8 قیراط وزن کے بروٹی کو کوہِ نور سے بھی پرانا ہیرا اقرار دیا گیا ہے۔ 12 ویں صدی میں ملکہ فرانس نے اسے خریدا۔ سالہا سال تک لا پتہ رہنے کے بعد یہ ہیرا 1950 میں منظر عام پر آیا۔ جب نیویارک کے جیولر ہنری ونسٹن نے اسے کسی ہندوستانی راجہ سے خریدا۔ تقریباً 18 ویں صدی کے 200 قیراط وزن کے ہیرے کو کئی سال پہلے میسور کے ایک مندر کی مورتی کی آنکھ سے فرانس کے تاجر نے چوری کیا تھا۔ آج یہ ہیرا روس کے تاریخی تاج میں جڑے ساڑھے آٹھ سو ہیرے جواہرات میں سے ایک ہے۔

سب سے بڑا ہیرا: دنیا کا سب سے بڑا ہیرا 'کلی نن' Cullinan ہے یہ جنوبی افریقہ میں 1905 میں دریافت کیا گیا تھا۔ تراشنے سے پہلے اس کا وزن 3,106.75 قیراط یا 621.35 گرام تھا اور چوڑائی 10.5 سینٹی میٹر۔ اسے افریقہ کے گریٹ اسٹار میں تراشا گیا تھا، تراشنے کے بعد اس کا وزن 530.2 قیراط ہو گیا۔ افریقہ میں دریافت

گول کنڈہ کا ایک نایاب ہیرا

کوہِ نور کا 'بڑا بھائی' جو ایران میں ہے اور 'دریائے نور' کہلاتا ہے

شدہ اس سے چھوٹے y ہیرے کا وزن 317.40 اور 104 قیراط ہے، یہ ہیرے اب ملکہ برطانیہ کے تاج کی زینت بنے ہوئے ہیں۔ تاریخی دستاویزات کے مطابق دنیا کا سب سے بڑا خالص ہیرا 1986 میں جنوبی افریقہ کی ایک کان سے نکالا گیا۔ اس کا نام 'ان نیمڈ براؤن' Unnamed Brown اور وزن 545 قیراط ہے، تراشنے سے قبل اس کا وزن 700 قیراط تھا۔ دنیا کے بڑے بڑے ہیروں کے ماہرین کی ٹیم نے اسے تین سال کی طویل مدت میں تراشا۔ ایک اور ہیرا جسے تراشنے میں تین سال کی مدت صرف ہوئی وہ برطانوی تاج میں جڑا ہوا سینٹینری ڈائمنڈ ہے، اس کا وزن 275.85 قیراط ہے۔

نقلی ہیرے: انیسویں صدی کے اواخر میں اسکاٹ لینڈ کے سائنسداں جیمس ویلنٹائن نے سنتھیٹک ڈائمنڈ کو میتھین کولون آئل اور پیرافن کے ساتھ ملا کر لوہے کی ٹیوبس میں بند کر کے غیر معمولی درجہ حرارت پر گرم کیا، اس نے دعویٰ کیا کہ وہ پتھر کے قدرتی ہیرے ہیں۔ چند سال بعد ثابت ہوا کہ وہ ہیرے نہیں بلکہ سنتھیٹک ڈائمنڈ تھے۔

نکہت پروین
مبارک پور، سلکھوابازار ضلع سہرسہ، بہار۔ 852126

نانی کے صندوق سے

آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ نانی کاایک پرانا صندوق ہمارے ہاتھ لگ گیا ہے۔واہ! کیاغضب کا صندوق ہے۔ مزیدار چیزوں‌سے بھرا ہوا۔ کہانیا ں، چٹکلے ، پیاری پیاری نظمیں، مزیے مزیے کی باتیں ، دنیا جہان کے قصے ..تو بھئی .ہم یہ کریں گے کہ ہر مہینے اس صندوق سے کچھ پرانی چیزں نکالیں گے اور ’بچوں کی دنیا‘ میں سجادیں گے۔ صندوق میں چونکہ تالا نہیں ہے اس لیے ہو سکتاہے کچھ پرانی چیزیں اوروں نے بھی اس میں سے نکا لی ہوں۔ اگر ایسی کوئی مزیے دار چیز آپ کے ہاتھ لگے تو ہمارے پاس بھیج دیجیے۔چھپا کر نہ رکھئے گا! ہم اسے آپ کے نام کا حوالہ دے کر چھاپ دیں گے !ان دنوں رمضان کا مبارک مہینہ چل رہا ہے تو ابتدا کرتے ہیں روزہ دار بچے کی ایک ایسی کہانی سے جو کسی زمانے میں بچے بچے کی زبان پر تھی۔ مدیر

■ شیون رضوی (مرحوم)

روزہ دار بچّے کی داستاں

کرتا ہے ایک راویٔ دل سوز یہ بیاں
رمضان کے مہینے کی مشہور داستاں
ملکِ یمن میں لڑکا تھا ایک آٹھ سال کا
چرچا تھا شہر شہر میں جس کے جمال کا
روزہ خدا کے نام پہ رکھنے کا شوق تھا
رمضان کا جوچاند نظر اس کو آگیا
کہنے لگا یہ ماں سے کہ روزہ رکھوں گا میں
مجھ کو جگانا رات کو سحری کروں گا میں

بچے کی بات کا نہ کیا ماں نے کچھ خیال
لڑکا جو صبح اٹھا تو اس کو ہوا ملال
سمجھایا ماں نے اے مرے دل بر نہ کر ملال
روزہ نہیں ہے فرض ابھی تجھ پہ میرے لال
معصوم دل پہ ٹھیس لگی ماں سے یوں کہا
امّی سنو یہ کہتا ہے قرآن میں خدا
روزے کی بھوک پیاس کا جو غم اٹھائے گا
اس روزہ دار کو نہ جہنّم جلائے گا

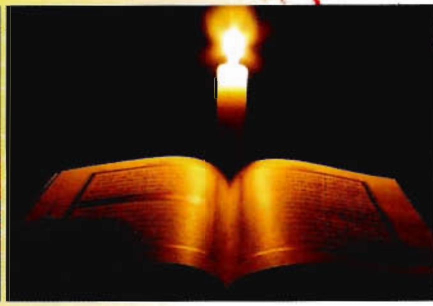

قرآن کا نزول اسی ماہ میں ہوا
توبہ قبول کرتا ہے اس ماہ میں خدا
القصہ رات آئی تو وہ جاگتا رہا
کہنا کسی کا کچھ نہ سنا روزہ رکھ لیا
سحری وہ کرکے سو گیا اور سو کے جب اٹھا
بیٹے کا ماتھا چوم کے مادر نے یہ کہا
روزہ نہ رکھ سکے گا تو ضد اپنی چھوڑ دے
دے دوں گی اپنا روزہ تجھے روزہ توڑ دے
لڑکا یہ بولا کھانا میں ہرگز نہ کھاؤں گا
اپنے خدائے پاک کو کیا منہ دکھاؤں گا
دوپہر ڈھل کے عصر کا جب وقت آگیا
پانی بغیر پیاس سے خشک ہو گیا گلا
سینے میں سانس رک گئی چکّر سا آگیا
کم سن تھا نازنین تھا چکرا کے گر پڑا
حرکت جو دل کی بند ہوئی آنکھ جھک گئی
نبضیں اِدھر رکیں تو اُدھر سانس رک گئی
ماں نے کہا پکار کے معصوم چل دیا
افطار کی خوشی سے بھی محروم چل دیا
ماں باپ لاش دیکھتے تھے اپنے لال کی
میّت پڑی تھی سامنے اک آٹھ سال کی

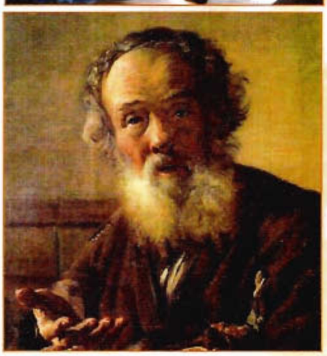

آخر کو روزہ کھولنے کا وقت آگیا
دونوں نے غم میں بیٹے کے کھایا نہ کچھ پیا
ناگاہ در پہ آکے سوالی نے دی صدا
سائل کی شکل میں تھا فرشتہ کھڑا ہوا
آواز دی کہ لے لو فقیروں کی تم دعا
میں بھی ہوں روزہ دار دو اللہ کے نام کا
جس دم سنی فقیر کی دونوں نے یہ صدا
افطار کو جو رکھا تھا سائل کو دے دیا
سائل نے بھیک لے کے کہا ماجرا ہے کیا
ماتم ہے گھر میں کیسا یہ مجھ کو بھی دو بتا
سائل کو اپنے ساتھ پدر گھر میں لے گیا
فرزند کے جنازے کو لاکر دکھا دیا
بچے کی لاش دیکھ کے سائل نے کچھ پڑھا
سینے پہ ہاتھ رکھ کے یہ مردے کو دی صدا
اے ننھے روزہ دار تو اب روزہ کھول لے
غمگین ماں کھڑی ہے ذرا ماں سے بول لے
جنبش لبوں پہ ہونے لگی آنکھ کھول دی
بیٹے کو زندہ دیکھ کے مادر لپٹ گئی
سائل یہ کہہ کے آنکھوں سے روپوش ہو گیا
بھیجا ہوا میں آیا تھا پروردگار کا

تھا امتحاں کا وقت مصیبت کی یہ گھڑی
جو اُس پہ جان دیتے ہیں مرتے نہیں کبھی

■ فیروز بخت احمد

کرامتی پنکچر

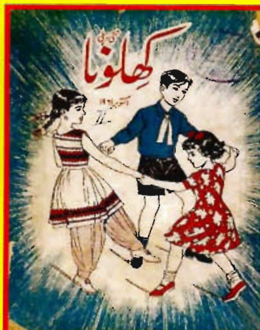

دہلی سے چھپنے والا ماہنامہ 'کھلونا' بچوں کا سب سے پسندیدہ رسالہ تھا جسے آج بھی لوگ یاد کرتے ہیں۔ 'کھلونا' کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ اسے بچے ہی نہیں بڑے بھی بہت شوق سے پڑھتے تھے، چنانچہ 'کھلونا' کے ہر اشتہار میں سب سے اوپر لکھا جاتا تھا، 8 سے 80 سال کے بچوں کا محبوب رسالہ 'کھلونا'۔ نانی کے صندوق میں ہمیں 'کھلونا' کے کئی شمارے ملے ہیں، جن سے چُنی ہوئی ایک کہانی یہاں پیش ہے!

شام کے وقت کچھ لڑکوں نے پروگرام بنایا کہ ہوسٹل میں ہی کرکٹ کھیلی جائے۔ بس تھوڑی دیر میں ہی ہوسٹل کا کمپاؤنڈ فیلڈ بن گیا۔ دو اینٹوں نے وکٹوں کا کام دیا۔ گیند بلا تو موجود ہی تھا۔ اسکور گننے کا نیا ڈھنگ نکالا گیا۔ اگر گیند دیوار یا چھت کو چھوئے تو ایک رن۔ اگر گیند دیوار سے ٹپا کھا کر دوسری دیوار سے ٹکرائے تو دو رن۔ اگر بغیر ٹپا کھائے لگے تو چار دن۔ کھیلنے والے لڑکے کل آٹھ تھے ـــ اس لئے ٹیم بنا کر کھیلنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ بس چار چار کھلاڑی آپس میں بنٹ گئے۔

کھیل شروع ہوا۔ ذرا سی دیر میں پورا ہوسٹل شور سے گونج اٹھا جو لڑکے پڑھ رہے تھے وہ پڑھنا بند کر کے کھیل دیکھنے لگے۔ اور کر بھی کیا سکتے تھے۔ رشید کمرے سے باہر نکلا اور کھلاڑیوں کو سمجھانے لگا کہ میدان میں جا کر کھیلو۔ جب سمجھانے سے کوئی کام نہیں بنا تو اس نے دھمکی دے ڈالی۔ ''اگر تم مجھے پریشان کرو گے تو میں ہیڈ ماسٹر صاحب سے کہہ دوں گا۔''

''ارے کہہ دینا بڑا آیا کہیں کا شکایتی ٹٹو!'' شاہد نے غصے سے جواب دیا۔ رشید پہلے بھی ایسی کئی دھمکیاں دے چکا تھا، مگر وہ کارگر نہیں ہوئی تھیں۔ لیکن اس بار کی دھمکی بیکار دھمکی نہیں تھی۔ اس کا پتہ اس وقت چلا جب رشید ہیڈ ماسٹر صاحب کے ساتھ آنگن میں پہنچ گیا۔ شاہد کی سنچری بننے میں صرف چار رنوں کی کمی رہ گئی تھی۔ اس نے جب ہیڈ ماسٹر صاحب کو دیکھا تو ایک دم گھبرا گیا۔ مگر وہ رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں بیٹ تھا۔ باقی سب لڑکے بالکل بھولے بن گئے اور رشید کی ہی ہاں میں ہاں ملانے لگے۔ سر یہ ہمیں پڑھنے بھی نہیں دیتا۔ سر یہ ہوسٹل میں ہاکی بھی کھیلتا ہے...وغیرہ وغیرہ، ایسا لگ رہا تھا جیسے رشید نے سب کھلاڑیوں میں صرف شاہد کی ہی شکایت کی۔ وہ بیچارہ مارے شرم کے زمین میں گڑا جا رہا تھا۔

بات ڈانٹ پھٹکار تک ہی نہیں رہی، بلکہ شاہد پر دس روپے کا جرمانہ بھی ٹھونک دیا گیا۔ شاہد اپنے کمرے میں بند ہو کر بیٹھ گیا۔ اس سے نہ کسی نے کھانے کے لیے پوچھا اور نہ کسی نے طبیعت کا حال دریافت کیا۔ اس نے سوچا کہ گھر میں جب کھانا نہیں کھاتا تھا تو سب باری باری اسے مناتے تھے۔ مگر یہاں تو سب اپنے ہی مشغلوں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اور اگر اس بے رخی کی شکایت گھر پر کی جائے گی تو اور بھی آفت آئے گی۔

سوچ سوچ کر شاہد اس نتیجے پر پہنچا کہ رشید سے بدلہ لینا چاہیے۔

''اس کے نوٹس notes کی کاپیاں اڑا لوں۔ پھر دیکھتا ہوں کیسے فرسٹ آتا ہے؟ نہیں — اس سے بات نہیں بنے گی۔ نوٹس تو وہ اور بھی بنا سکتا ہے، امتحان ابھی دور ہے۔ تو پھر اسکول کے کسی دادا لڑکے سے ایسی پٹائی کرادوں کہ بیچارے کو چھٹی کا دودھ یاد آجائے۔ مگر نہیں اگر وہ پکڑا گیا تو پرنسپل صاحب کے سامنے میرا ہی نام لے گا...'' شاہد رات کے دس بجے بتی بجھا کر لیٹا تھا، اور اب رات کا ایک بجا تھا۔ ایک تو اس کا دماغ بدلے کی آگ میں جل رہا تھا۔ دوسرے اس کا پیٹ بھی خالی تھا۔ جاگتے جاگتے سر میں درد ہونے لگا تو شاہد اٹھا، کمرے سے باہر نکلا اور ہوسٹل کے باغ میں ٹہلنے لگا۔ چوکیدار بھی بیٹھے بیٹھے اونگھنے لگا تھا۔

سارا ہوسٹل خاموشی میں ڈوبا تھا۔ چاندنی چٹکی ہوئی تھی۔ اچانک شاہد کی نظر ہوسٹل کے باہر کھڑی ہوئی سائیکلوں پر پڑی۔ رشید کی سائیکل چاندنی میں سب سے الگ چمچما رہی تھی۔ رشید کے ابا نے اسے دس دن پہلے ہی خرید کر دی تھی۔

بجلی کی طرح ایک خیال شاہد کے دماغ میں کوندا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی — ایک پن — صرف ایک پن کی ضرورت تھی، اور ایک پن اس کے پاس پہلے ہی سے موجود تھی۔ قمیض کا بٹن ٹوٹ جانے پر اس نے پن لگا رکھی تھی۔ قمیض میں سے پن نکال کر وہ کسی ماہر چور کی طرح سائیکلوں کی طرف بڑھا۔ اسے ڈر تھا کہ چوکیدار جاگ نہ جائے۔ مگر وہ تو اور گہری نیند میں مست ہو گیا تھا۔ شاہد نے سوچا کہ چوکیدار اگر جاگ بھی گیا تو وہ کہہ دے گا کہ ہوا خوری کے لیے نکلا ہے۔ آخر اس کی سائیکل بھی تو وہیں کھڑی ہے۔ چوکیدار کو بھی معلوم تھا کہ کچھ لڑکے نیند اڑانے کے لیے منہ تر کر کے سائیکل پر گھوم آیا کرتے تھے۔

'کھلونا' میں چھپنے والا اس کہانی کا ٹائٹل

پن لے کر شاہد نے رشید کی سائیکل کے اگلے ٹائر میں چبھودی۔ پن لگاتے ہی زور سے ہوا نکلنے لگی۔ شاہد ڈرا کہ کہیں چوکیدار کی آنکھ نہ کھل جائے مگر وہ نہیں جاگا۔

ہوا کی آواز بند ہو گئی۔ شاہد نے سوچا — ایک پنکچر اور کردے۔ اگلا ٹائر اب بالکل چھلنی ہو چکا تھا لیکن اسے اب بھی تسلی نہیں ہوئی۔ وہ پن لے کر پچھلے ٹائر کی طرف گیا اور وہاں بھی جگہ جگہ پنکچر کردیے۔

پھر وہ خوشی خوشی اپنے بستر میں آکر لیٹ گیا۔ وہ اس وقت کا تصور کرنے لگا جب رشید پنکچر ٹھیک کرانے دکان پر جائے گا۔ اور جب اسے پتہ چلے گا کہ دونوں ٹائر بیکار ہو چکے ہیں تو بے چارے کو آٹھ روپے ٹائروں کے اور ایک روپیہ مزدوری کا دینا پڑے گا۔ جیب سے پیسے جائیں گے تو مزہ آئے گا۔ اس طرح سوچتے سوچتے اسے نیند آگئی۔

صبح کو سارے ہوسٹل میں ہنگامہ مچا۔ شاہد وارڈن صاحب کے سامنے منہ لٹکائے بیٹھا تھا اور وارڈن صاحب اسے تسلی دیے جا رہے تھے: ''ہم چور کو پکڑنے کی پوری کوشش کریں گے۔'' ادھر چوکیدار بھی منہ لٹکائے بیٹھا تھا۔ ابھی ابھی وارڈن صاحب نے اسے نوکری سے نکال دینے کی دھمکی دی تھی۔

بات دراصل یہ تھی کہ کسی چور نے شاہد کی سائیکل چرالی تھی۔ رشید کی نئی سائیکل ہوسٹل سے کچھ دور پڑی ملی تھی۔ اندازہ یہ لگایا گیا کہ چور نے پہلے رشید کی نئی سائیکل کا تالا توڑا ہوگا، مگر اس میں پنکچر ہونے کی وجہ سے اس سائیکل کو وہیں چھوڑ کر دوبارہ شاہد کی سائیکل کا تالا توڑا اور لے گیا۔ لیکن یہ کسی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کرامتی پنکچر رشید کی سائیکل میں کس نے کیے اور کیوں کیے؟ ■■

ماہنامہ 'کھلونا' دہلی کے جنوری 1973 کے شمارے سے

دلاور فگار (مرحوم)

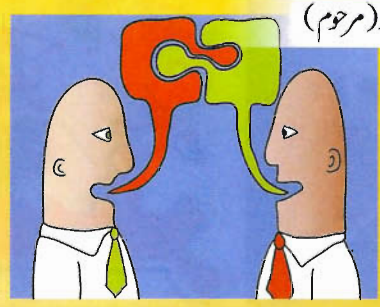

میں نے کہا اس نے کہا

میں نے کہا کہ شہر کے حق میں دعا کرو
اس نے کہا کہ بات غلط مت کیا کرو
میں نے کہا کہ رات سے بجلی بھی بند ہے
اس نے کہا کہ ہاتھ سے پنکھا جھلا کرو
میں نے کہا کہ شہر میں پانی کا قحط ہے
اس نے کہا کہ کوئی بھی کولا پیا کرو
میں نے کہا کہ کار ڈکیتوں نے چھین لی
اس نے کہا کہ اچھا ہے پیدل چلا کرو
میں نے کہا کہ کام ہے کوئی نہ کاروبار
اس نے کہا کہ شاعری پر اکتفا کرو
میں نے کہا کہ سو کی بھی گنتی نہیں ہے یاد
اس نے کہا کہ رات کو تارے گنا کرو
میں نے کہا کہ ہے مجھے کرسی کی آرزو
اس نے کہا کہ آیت کرسی پڑھا کرو
میں نے کہا غزل پڑھی جاتی نہیں صحیح
اس نے کہا کہ پہلے ریہرسل کیا کرو
میں نے کہا کہ کیسے کہی جاتی ہے غزل
اس نے کہا کہ میری غزل گا دیا کرو
ہر بات پر جو کہتا رہا میں "بجا! بجا!"
اس نے کہا کہ یوں ہی مسلسل بجا کرو

اس شمارے کی تصویر

کوئی اچھا سا عنوان دیجیے!

گول گپّے

ہیڈ ماسٹر (لڑکے سے): بغیر اجازت اندر کیوں آئے ہو؟
لڑکا: جناب میں اجازت لینے ہی اندر آیا ہوں...

استاد: پاجامہ واحد ہے یا جمع؟
شاگرد: جی اوپر سے واحد ہے نیچے سے جمع!

ایک انچی: آج کیا تاریخ ہے؟
دوسرا انچی: آج اکتیس تاریخ ہے۔
پہلا انچی: یار میں تاریخ پوچھ رہا ہوں سن نہیں!

امّی: ذرا دیکھو تو منّے ڈرائینگ روم میں یہ کون رو رہا ہے؟
منّا: روئے گا کون، ابّو اپنے دوست کو گانا سنا رہے ہیں!

آدمی: گھر گھر جا کر بھیک مانگتے ہوئے کیا تمھیں شرم نہیں آتی؟
فقیر: کیا کروں، میرے گھر آ کر کوئی بھیک ہی نہیں دیتا!

■ جولز ورنے
مترجم: صفدر حسین

2

اَسّی دِن کَا سَفَرُ

جولز گیبرئیل ورنے Jules Gabriel Verne دنیا میں سب سے زیادہ پڑھے جانے والے ناول نگاروں میں شامل فرانسیسی مصنف ، شاعر اور ڈرامہ نویس تھے۔ سائنسی کہانیاں لکھنے میں ان کا جواب نہیں تھا۔ عالمی ادب میں انہیں فادر آف سائنس فکشن کہا جاتا ہے۔ جاسوسی ناول لکھنے والی مصنفہ اگاتھا کرسٹی کے بعد جولز ورنے دنیا کے دوسرے مصنف ہیں جن کی کتابوں کا سب سے زیادہ زبانوں میں ترجمہ ہوا ہے۔ انھوں نے زیادہ تر مہماتی adventurous ناول لکھے ہیں جن میں زمین کے اندر، سمندر میں اور زمین کے اوپر کئے گئے سفروں کی حیرت انگیز داستانیں بیان کی گئی ہیں۔ ان کے کئی ناولوں پر فلمیں بن چکی ہیں۔ ان میں اراؤنڈ دی ورلڈ ان ایٹی ڈیز Around the World in Eighty Days کو سب سے مقبول مانا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسے شریف انسان فلیس فوگ Phileas Fogg کی مہم جوئی کا قصہ ہے جو رحم دل ، بہادر اور وقت کا کسی سنکی آدمی سے بھی زیادہ پابند انسان ہے۔ لندن کے ایک کلب میں وہ تقریباً ڈیڑھ سو سال پہلے کے ایک ایسے زمانے میں صرف اسّی دن کے اندر دنیا کا پورا ایک چکّر لگانے کا چیلنج قبول کر لیتا ہے جب ہوائی جہاز اور موٹریں نہیں تھی اور پانی کے جہاز بھی بھاپ سے چلتے تھے۔ جیسے ہی فلیس فوگ اپنے فرانسیسی خادم ژاں پاس پرٹو Jean Passepartout کو ساتھ لے کر شرط کے مطابق اپنا سفر شروع کرتا ہے پولیس اسے ڈاکو سمجھ کر پیچھے لگ جاتی ہے اور یوں طرح طرح کی رکاوٹوں سے بھرا اس کا سفر بالآخر مکمل ہوتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ وقت کے معاملے میں پہلی مرتبہ فلیس فوگ سے ایک غلطی ہوگئی ہے اور وہ بظاہر شرط ہار جاتا ہے۔ لیکن تبھی ایک حیرت انگیز سچّائی سامنے آتی ہے اور فلیس فوگ شرط جیت لیتا ہے۔ قومی اردو کونسل نے اس کتاب کی تلخیص چھاپی ہے جسے آپ کی دل چسپی کے لیے ہم سلسلہ وار پیش کررہے ہیں۔ ناول اتنا دل چسپ ہے کہ آپ اگلی قسط کے لیے بے چین ہو اٹھیں گے۔ تو لیجیے حاضر ہے ناول 'اسّی دن میں دنیا کا سفر' کی دوسری قسط، جسے 'اَسّی دن کاسفر' کا نام دیا گیا ہے۔

مدیر

بیس ہزار پونڈ کی شرط

اب تک کی کہانی: 1872 کی بات ہے۔ انگلستان کی راجدھانی لندن میں ایک مالدار شخص فلیس فوگ رہتا تھا۔ اس کے بارے میں سب اتنا ہی جانتے تھے کہ وہ ایک نہایت شریف اور خوش اخلاق آدمی تھا اس کے سوا لوگوں کو اس کی اور کسی بات کا علم نہ تھا۔ وہ دوسروں سے بہت کم ملتا جلتا اور بلاضرورت کسی سے بات بھی نہ کرتا، وہ صرف اپنے کلب جاتا اور وہاں بھی صرف اخبار پڑھنے اور تاش کھیلنے میں وقت لگاتا۔ اس طرح وہ ایک پُر اسرار شخصیت بن گیا تھا۔ وقت، ضابطوں اور قول کا وہ اتنا پابند تھا کہ ہر کام وقت ہی پر شروع اور ختم کرتا تھا۔ ایک سیکنڈ کا فرق بھی اس کے مزاج کے خلاف تھا۔ وہ ایک بڑے گھر میں تنہا رہتا تھا اور صرف ایک ملازم اس کی خدمت کرتا تھا۔ مگر اسے بھی سارے کام مشین کی طرح قاعدے سے کرنے پڑتے۔ 2 اکتوبر کو بے چارے نوکر کی شامت جو آئی تو اس نے مالک کو شیو کے لئے روز کی طرح 86 ڈگری کی بجائے 84 ڈگری کا گرم پانی لاکر دے دیا۔ صرف دو ڈگری کے فرق پر مسٹر فوگ کا پارہ چڑھ گیا اور اس نے کھڑے کھڑے ملازم کو نکال کر اسی روز دوسرے آدمی کو بلا لیا۔ نئے فرانسیسی ملازم نے مسٹر فوگ کو بتایا، میرا نام ژاں پاس پرٹو ہے اور بھونڈا سا لفظ پاس پرٹو، اس لئے جوڑ دیا گیا کہ میں ہر مشکل سے صاف بچ نکلتا ہوں۔ اس پیٹ کے لیے میں نے دنیا بھر کے پاپڑ بیلے ہیں۔ مگر میں ایک ایمان دار آدمی ہوں۔ پہلے گلی کوچوں میں گاتا رہا۔ سرکس میں نہ صرف اچھل کود کی بلکہ رسی پر کمالات دکھائے۔ پھر کچھ دن کے لئے جمناسٹک کا استاد بن گیا۔ اس کے بعد پیرس میں فائر بریگیڈ میں نوکری کی اور اپنی جان پر کھیل کر آگ بجھاتا رہا۔ پانچ سال پہلے فرانس سے چلا آیا اور انگلستان میں کھاتے پیتے لوگوں کے پاس گھریلو ملازمت کرلی۔ پھر بے روزگار ہوگیا تو آپ جیسے شریف آدمی کا نام سن کر اس خیال سے چلا آیا کہ اطمینان اور سکون سے ایک ہی جگہ رہ سکوں۔ فوگ نے کام کے سارے اصول اور اوقات اسے سمجھا دیے۔ پاس پرٹو دل ہی دل میں خوش ہوا کیونکہ اسے ایسے ہی نیک دل اور امیر آقا کی تلاش تھی۔

یہ تھی اب تک کی کہانی۔ اب آگے پڑھیے:

فلیس فوگ اپنے گھر سے ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے کلب کی طرف چل پڑا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ روزانہ گن گن کر قدم رکھتا ہے۔ ایک قدم کم نہ ایک قدم زیادہ۔ اس روز بھی وہ 575 دائیں قدم اور 576 بائیں قدم چل کر 'ریفارم کلب' کی شاندار عمارت میں داخل ہوا۔ کلب کی یہ عمارت لندن کی مشہور سڑک 'پال مال' پر ایک لاکھ بیس ہزار پونڈ کی لاگت سے بنائی گئی تھی۔

فلیس فوگ حسبِ معمول کلب کے کھانے کے کمرے میں گیا۔ اس کمرے کی بڑی بڑی کھڑکیوں سے کلب کا خوبصورت چمن صاف دکھائی دیتا تھا۔ خزاں کا موسم شروع ہو رہا تھا، درخت اپنا چولا بدل رہے تھے۔ ہوا میں خنکی آچلی تھی۔ وہ اپنی مقررہ جگہ پر بیٹھ گیا اور دوپہر کا کھانا شروع کر دیا۔ ابلی ہوئی مچھلی، ٹماٹر کی چٹنی، گوشت کے کباب

میوے کے میٹھے سموسے، پنیر۔ یہ سب کھانے کے بعد وہ چائے کی دو چار پیالیاں بھی پی گیا۔ پھر بارہ بج کر 47 منٹ پر ایک عالی شان کمرے میں گیا۔ یہ مطالعہ کا کمرہ تھا جس کی دیواروں پر قیمتی اور شاندار تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ وہاں بیٹھ کر تین بج کر 45 منٹ تک 'ٹائمز' اخبار پڑھتا رہا اور پھر 'اسٹینڈرڈ' اخبار پڑھنے لگا۔ یہاں تک کے شام کے کھانے کا وقت آ گیا۔ 6 بج کر 20 منٹ پر وہ پھر مطالعہ کے کمرے میں واپس آیا اور 'کرانیکل' اخبار پڑھنا شروع کر دیا۔

آدھے گھنٹے میں ایک کے بعد ایک کلب کے دوسرے ممبر بھی آ گئے اور سب آتش دان کے چاروں طرف بیٹھ گئے۔ فلیس فوگ کے تاش کے یہ ساتھی نہایت شریف اور مالدار لوگ تھے۔

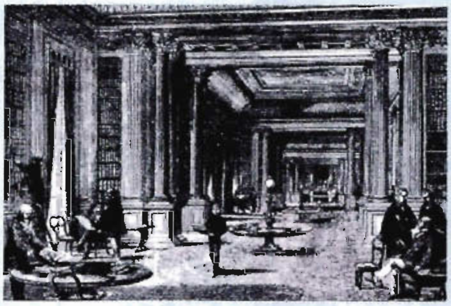

سب لوگوں میں چوری کے اس واقعہ کے بارے میں گرما گرم بحث شروع ہوگئی جو تین دن پہلے لندن میں پیش آیا تھا۔ 29 ستمبر کو انگلستان کے سرکاری بینک سے دن دہاڑے سب کی آنکھوں میں دھول جھونک کر ڈاکو 55 ہزار پونڈ کے نوٹوں کا بنڈل اڑا لے گیا تھا، جس کی وجہ سے سارے ملک میں ایک سنسنی سی پھیلی ہوئی تھی۔

تاش کا کھیل شروع ہونے تک وہ سب اسی ڈکیتی کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ ان میں سے ایک ساتھی اینڈریو اسٹیوارٹ نے کہا:

''بینک کو یہ نقصان برداشت کرنا پڑے گا۔ میرے خیال میں چور کو بھاگ نکلنے کا اچھا موقع مل گیا۔ وہ کوئی بے وقوف تو ہے نہیں جو پکڑا جائے۔''

خفیہ ایجنسی کے آدمی ملک کی تمام بڑی بڑی بندرگاہوں پر بھیجے گئے تھے تاکہ چور ملک چھوڑ کر کہیں اور نہ جا سکے اور اس کی گرفتاری کے لئے دو ہزار پونڈ کے انعام کا اعلان بھی کیا گیا تھا۔

کلب میں ساتھیوں میں سے ایک رالف نے کہا:

''میں سمجھتا ہوں کہ دنیا میں کوئی ایسا ملک نہیں جہاں وہ پناہ لے سکے۔''

''لیکن دنیا تو اتنی بڑی ہے'' اسٹیوارٹ نے کہا۔

فلیس فوگ جو یہ سب کچھ خاموشی سے سن رہا تھا دبی آواز میں بولا:

''وہ کسی وقت بڑی تھی۔''

اس پر اسٹیوارٹ نے پوچھا۔

''کس وقت بڑی تھی سے تمہارا مطلب کیا؟ کیا دنیا اب چھوٹی ہوگئی ہے؟''

''بے شک ہوگئی ہے۔'' رالف نے کہا۔

''میں فلیس فوگ کے خیال سے بالکل متفق ہوں سو سال پہلے کے مقابلے میں اب یہ ممکن ہوگیا ہے کہ دس گنا تیزی سے ہم دنیا کا سفر کرسکیں اور اس طرح چور کو پکڑنا بھی آسان ہوگیا ہے۔''

فلیس فوگ نے کہا:

''لیکن اس کا یہ مطلب ہوا کہ اس طرح چور کا بھاگ نکلنا بھی آسان ہوگیا ہے۔''

ان ساری باتوں سے اسٹیوارٹ مطمئن نہ ہوسکا اس نے کہا:

''خیر تم نے یہ تو ٹھیک کہا کہ اب دنیا پہلے کے مقابلے میں چھوٹی ہوگئی ہے لیکن اس کے باوجود آج بھی ساری دنیا کا سفر کرنے کے لئے کم سے کم تین مہینے تو ضرور لگیں گے۔''

اس کے جواب میں فلیس فوگ نے کہا:

''میں سمجھتا ہوں کہ اسی دن میں دنیا کا سفر ہوسکتا ہے۔''

''ہاں! بے شک اسی دن میں۔'' ایک ساتھی جان سلی وان نے زور دیتے ہوئے کہا۔

پھر فلیس فوگ نے سمجھاتے ہوئے کہا:

''دیکھو! اب تو نہر سوئز بھی بن گئی ہے اور اب ہندوستان اور امریکہ دونوں ملکوں میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک ریل چلنے لگی ہے۔ دور کیوں جایئے آج ہی کے اخبار 'کرانیکل' نے اس سفر کے بارے میں تفصیلات بتلائی ہیں۔ لو سنو۔''

اور پھر اس نے اخبار پڑھنا شروع کیا:

لندن سے سوئز تک براستہ مونٹ سے نِس اور برندیسی بذریعہ ریل اور جہاز	7 دن
سوئز سے بمبئی بذریعہ اسٹیمر	13 دن
بمبئی سے کلکتہ ب ذریعہ ریل	3 دن
کلکتہ سے ہانگ کانگ بذریعہ جہاز	13 دن
ہانگ کانگ سے یوکوہاما بذریعہ جہاز	6 دن
یوکوہاما سے سان فرانسسکو بذریعہ جہاز	22 دن
سان فرانسسکو سے نیویارک بذریعہ ریل	7 دن
نیویارک سے لندن بذریعہ جہاز اور ریل	9 دن
پورا سفر کل ملا کر	80 دن

یہ سن کر اسٹیوارٹ نے کہا:

''ہاں! شاید اسّی دن میں ہو سکے، لیکن راستہ میں کچھ رکاوٹیں بھی تو پیش آسکتی ہیں۔ کہیں سمندر میں طوفان آجائے یا موسم خراب ہوجائے یا کبھی ریل کی ٹکر ہوجائے یا انجن میں خرابی پیدا ہوجائے۔ پھر کیا ہوگا؟''

فلیس فوگ نے جواب دیا:

''میں نے ان ساری باتوں کا خیال رکھتے ہوئے ہی کہا تھا کہ اسّی دن میں دنیا کا سفر ہوسکتا ہے۔''

وہ پھر تاش کھیلنے لگا۔

کچھ دیر بعد اسٹیوارٹ نے کہا:

''خیر یوں کہنے کو تو تم کہہ سکتے ہو لیکن اگر تم اسّی دن میں دنیا کا سفر کر دکھاؤ تب میں جانوں۔ اس بات پر تو میں چار ہزار پونڈ کی شرط لگا سکتا ہوں کہ اسّی دن میں دنیا کا سفر ناممکن ہے۔''

فلیس فوگ نے بدستور تاش کھیلتے ہوئے کہا:

''یہ سفر ممکن ہے۔''

''اچھا تو پھر جاؤ اس سفر پر اور اس کو پورا کرو۔''

اسٹیوارٹ نے جھنجھلا کر کہا۔

فلیس فوگ نے پورے اطمینان کے ساتھ مسکراتے ہوئے کہا:

''اسّی دن میں دنیا کا سفر بہت اچھا، لیکن ایک بات میں تمہیں بتلائے دیتا ہوں وہ یہ کہ اس سفر کا سارا خرچ تمہیں برداشت کرنا پڑے گا۔''

اسٹیوارٹ کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔

''اچھا تو اسی بات پر میں چار ہزار پونڈ کی شرط باندھتا ہوں اور یہ بھی سمجھ لو کہ جب میں کوئی شرط لگاتا ہوں تو واقعی شرط ہوتی ہے۔''

فلیس فوگ نے کہا:

''بہت اچھا میں بھی اسی بات پر بیس ہزار پونڈ کی شرط لگاتا ہوں میرے بیس ہزار پونڈ بینک میں جمع ہیں۔''

''بیس ہزار پونڈ۔''

اسٹیوارٹ نے حیرت سے کہا:

''لیکن یاد رکھو اگر تم نے ذرا سی بھی دیر کی تو یہ شرط ہار جاؤ گے۔''

فلیس فوگ نے جواب دیا:

''دیر ہوگی ہی کیسے۔''

''تمہیں برابر، بالکل حساب سے ریل سے جہاز میں اور جہاز سے ریل میں اچھل کود کرنی پڑے گی۔''

اسٹیوارٹ نے ہنستے ہوئے کہا۔

فلیس فوگ نے بھی ہنستے ہوئے جواب دیا:

''ہاں! میں حساب سے ہی اچھل کود کروں گا۔''

اس پر ساتھیوں میں سے ایک نے کہا۔

''تم تو مذاق کر رہے ہو۔''

اس وقت تک سارے لوگ اس گفتگو میں دلچسپی لینے لگے تھے۔ فلیس فوگ نے جواب دیا۔

''جناب کوئی شریف آدمی کبھی مذاق نہیں کرتا، اور جب کہ یہ ایک شرط کا معاملہ ہو میں کسی سے بھی بیس ہزار پونڈ کی شرط لگانے کو تیار ہوں کہ میں اسّی دن میں دنیا کا سفر کر دکھاؤں گا بلکہ اس سے بھی کم وقت میں یعنی 1920 گھنٹے میں یا 15200 منٹ میں! کیا منظور ہے تم لوگوں کو؟''

فلیس فوگ کے پانچوں ساتھیوں نے اس شرط کو قبول کر لیا اور ہر ایک نے اس کے بیس ہزار پونڈ کے مقابلے میں چار چار ہزار پونڈ کی شرط لگائی تو فلیس فوگ نے کہا:

''اچھا! اب شرط تو پکی ہوگئی۔ ڈوور سے ٹرین رات کے 8 بج کر 45 منٹ پر چھوٹتی ہے میں اسی سے جاؤں گا۔''

''آج ہی رات؟'' اسٹیوارٹ نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں آج ہی رات کو۔'' فلیس فوگ نے جواب دیا۔ پھر اس نے اپنی جیبی جنتری نکالی اور کہا:

''آج بدھ ہے 2 اکتوبر۔ میں 'ریفارم کلب' کے اس کمرے میں سنیچر کے دن 21 دسمبر کو رات کے 8 بج کر 45 منٹ پر واپس آؤں گا اور اگر میں مقررہ وقت پر نہ آسکا تو پھر وہ بیس ہزار پونڈ جو میرے نام بینک کے کھاتے میں جمع ہیں آپ لوگ اس کے حق دار ہو جائیں گے، یہ اسی رقم کا چیک ہے۔''

اس کے بعد ایک کاغذ پر شرط کے الفاظ لکھے گئے۔ فلیس فوگ اور اس کے پانچ ساتھیوں نے اس کاغذ پر دستخط کئے۔ پھر فلیس فوگ آنے والی مصیبتوں سے بے خبر، خاموش، تاش کھیلتا رہا۔ جیسے کہ شرط کا اس پر کوئی اثر ہی نہیں ہوا ہو۔ حالانکہ اس نے اپنی آدھی پونجی اس شرط پر لگادی تھی اور وہ جانتا تھا کہ اور اتنی ہی رقم اسے اپنے سفر پر خرچ کرنی پڑے گی۔ دوسری طرف اس کے ساتھی بڑی بے چینی سی محسوس کر رہے تھے کیوں کہ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ شرط نہ صرف ایک طرفہ ہے بلکہ فلیس فوگ کے ساتھ سراسر ناانصافی بھی ہے۔ فلیس فوگ نے تو اکیلے ہی بیس ہزار پونڈ کی شرط لگادی۔ لیکن ادھر ہر ایک نے چار چار ہزار پونڈ؟

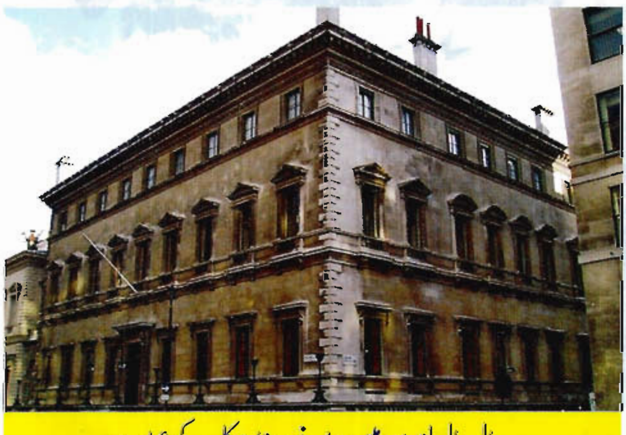

پال مال لندن میں پرانے ریفارم کلب کی عمارت

اسی وقت کلب کی گھڑی نے سات بجائے۔ ساتھیوں نے فلیس فوگ سے کہا کہ اب وہ تاش کا کھیل روک دے کیوں کہ گھر جا کر اسے سفر کی تیاریاں کرنی ہیں اور وقت بہت کم رہ گیا ہے۔

فلیس فوگ نے اطمینان سے کہا:

''میں بالکل تیار ہوں، میں تو ہمیشہ تیار رہتا ہوں، کھیل جاری رہے گا۔ کھیلتے رہو ساتھیو!'' جاری

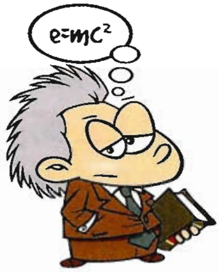

آپ کے سوال

ڈاکٹر بقراط کے جواب

ڈاکٹر بقراط ایک عجیب شخصیت کے مالک ہیں۔کوئی ایسا سوال نہیں جس کا جواب ان کے پاس نہ ہو۔بس مشکل یہ ہے کہ ڈاکٹر بقراط کے دماغ کی زنبیل میں جواب تو بہت سے ہیں، لیکن سوالوں سے ان کا ذہن خالی ہوگیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی انھیں عالم فاضل نہیں مانتا جو کہ وہ سچ مچ ہیں۔دراصل جس شخص کے پاس کوئی سوال نہ ہو علم کے معاملے میں وہ ہمیشہ غریب رہتا ہے۔بچوں کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ان کے پاس پوچھنے کے لیے ہمیشہ بہت سے سوال رہتے ہیں۔یہ کیا ہے، وہ کیوں ہے، یہ کیوں نہیں ہے، وہ کس لیے ہے، کس کے لیے ہے...یہ ایسے سوال ہیں جن کا جواب ملنے سے نئے سوال سامنے آتے ہیں، اور یوں سوالوں کے ساتھ ساتھ آپ کے علم و معلومات میں اضافے کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔اب آپ سوال کیجیے، ڈاکٹر بقراط آپ کے سوالوں کا بے صبری سے انتظار کر رہے ہیں۔ان سے بات کریں گے میاں افلاطون جو ایک مشہور طالب علم ہیں اور ایک ہی کلاس میں لگا تار فیل ہونے کا عالمی ریکارڈ بنانے والے ہیں!

میاں افلاطون: آداب عرض ہے ڈاکٹر صاحب۔بعد آداب کے صدر بازار دہلی کی فوزیہ خانم پوچھتی ہیں کہ انسانی جسم کا سب سے بڑا حصہ یا عضو کیا ہے۔پھیپھڑے یا معدہ؟

ڈاکٹر بقراط: افسوس، دونوں میں سے کوئی نہیں۔عضو یا Organ جسم کے اس حصے کو کہتے ہیں جو جسم کو زندہ رکھتا ہے۔مثلاً دماغ، دل، پھیپھڑے۔مگر ایک بالکل سامنے کے عضو پر ہماری نظر ہی نہیں جاتی جو جسم کو نہ صرف زندہ رکھتا ہے بلکہ اسے خاص شکل بھی دیتا ہے۔یہ ہے انسان کی جلد یا کھال۔انسانی جسم کا یہ سب سے بڑا عضو خود کوئی خاص شکل نہیں رکھتا لیکن جسم کے تمام باہری حصوں کو بڑی حد تک اسی سے شکل ملتی ہے۔کھال ایک طرح کی بوری یا تھیلا ہے جو انسانی جسم پر منڈھی ہوئی ہے اور جسم کے تمام حصوں کو اکٹھا رکھتی ہے۔اس کے علاوہ یہ دماغ کے مخبر یعنی اس کو خبر دینے والے کا کام بھی کرتی ہے۔اس میں محسوس کرنے کی طاقت ہے چنانچہ، گرمی ٹھنڈک، اور کسی چیز کے ملائم یا سخت ہونے کا احساس بھی دماغ کو یہی کراتی ہے۔ایک خوبی کھال میں یہ ہوتی ہے کہ اگر اسے کسی طرح کا نقصان ہو جائے، یعنی جلنے، کٹنے یا پھٹنے سے زخمی ہو گئی ہو تو اس کی مرمت کی یہ خود ہی شروع کر دیتی ہے۔جانوروں میں سب سے موٹی کھال گینڈے کی ہوتی ہے جو ڈیڑھ سینٹی میٹر سے لے کر 5 سینٹی میٹر ہو سکتی ہے۔چنانچہ گینڈے کی سب سے زیادہ حفاظت کھال ہی سے ہوتی ہے۔انسانی جسم میں سب سے موٹی کھال ہتھیلی یا ایڑی پر ہوتی ہے جو ڈیڑھ ملی میٹر موٹی ہوا

کرتی ہے لیکن زیادہ رگڑ کھانے سے یہ اور بھی موٹی ہو جاتی ہے۔پانی اور خشکی دونوں میں رہنے والے جانور Amphibians مثلاً مینڈک اپنی کھال سے پانی اور ہوا کو جذب کرنے کا کام بھی لیتے ہیں۔انسانی کھال اپنے مہین سوراخوں سے جسم کا زہریلا پانی یا رطوبت خارج

کرتی رہتی ہیں جسے ہم پسینہ کہتے ہیں۔ گرمیوں میں یہ پسینہ باہر نکل کر سوکھتا ہے تو Vaporisation یا بھاپ کاری کے عمل سے جسم کو ٹھنڈا بھی رکھتا ہے۔ تو بھئی فوزیہ اب آپ پھیپھڑوں اور معدے کو دماغ سے نکال دیں۔ کھال انسانی جسم کا سب سے بڑا Organ ہے۔

افلاطون: واہ ڈاکٹر صاحب، کیا مفصل جواب دیا ہے۔ لکھنؤ اتر پردیش سے آصف جمال کا سوال ہے کہ کون سا سیارہ سورج کے سب سے زیادہ قریب ہے اور وہاں کس قسم کی زندگی پائی جاتی ہے؟

ڈاکٹر بقراط: آصف میاں جو سیارہ سورج کے سب سے زیادہ نزدیک ہے اسے مرکری Mercury کہتے۔ اردو اور عربی میں اس کا نام عُطارِد ہے۔ لیکن اس کا ذکر بعد میں ۔ پہلے یہ سمجھ لو کہ سورج کے خاندان میں ، جسے نظامِ شمسی کہتے ہیں، زمین کے علاوہ کسی بھی سیارے یا سیارے کے کسی چاند پر زندگی کسی بھی شکل میں نہیں پائی جاتی۔ کم از کم ابھی تک ایسا کوئی ثبوت نہیں ملا ہے ۔ اب آیئے مرکری کی طرف۔ یہ سورج کے سب سے قریب تو ہے لیکن اتنا قریب بھی نہیں۔ سورج سے اس کا فاصلہ 5 کروڑ 80 لاکھ کلومیٹر یا 3 کروڑ 60 لاکھ میل ہے۔ یہاں تمھیں بتا دیں کہ خلا میں فاصلے اتنے زیادہ ہیں کہ انھیں فلکیاتی اکائی یا Astronomical Unit میں ناپا جاتا ہے اور اس یونٹ کو مختصراً AU کہتے ہیں ۔ ایک AU زمین کی سورج سے دوری یعنی 15 کروڑ کلومیٹر یا 9 کروڑ 30 لاکھ میل کے برابر ہوتا ہے۔ اس حساب سے دیکھیں تو عُطارِد سورج سے 39. اے یو کے فاصلے پر ہے۔ ویسے فاصلوں کو ناپنے کا ایک اس سے بڑا پیمانہ بھی ہے جسے نوری سال یا لائٹ ائیر Light Year کہتے ہیں۔ یہ پیمانہ نظامِ شمسی کے باہر کے فاصلوں کو ناپنے کے لیے زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ ایک نوری سال کا مطلب ہوتا ہے وہ فاصلہ جسے روشنی کی رفتار سے طے کرنے میں ایک سال لگے گا۔ روشنی کی رفتار تقریباً 3 لاکھ کلومیٹر یا 1 لاکھ 86 ہزار میل فی سیکنڈ ہوتی ہے۔ اس حساب سے ایک نوری سال کا فاصلہ 94607 کھرب 30 ارب 47 کروڑ 25 لاکھ 80 ہزار 800 میٹر ہوتا ہے جسے ہندسوں میں لکھیں تو 9460730472580800 میٹر ہوگا۔ موبائل فون کے نمبر سے بھی زیادہ لمبی اس تعداد کو پڑھنے میں بھی چونکہ تمھیں الجھن ہوگی اس لیے ہم نے آسان عبارت میں لکھ دیا ہے۔ اسے اور بھی آسان کیا جائے تو ایک نوری سال کا فاصلہ تقریباً 94 کھرب کلومیٹر یا 58 کھرب میل بیٹھتا ہے۔

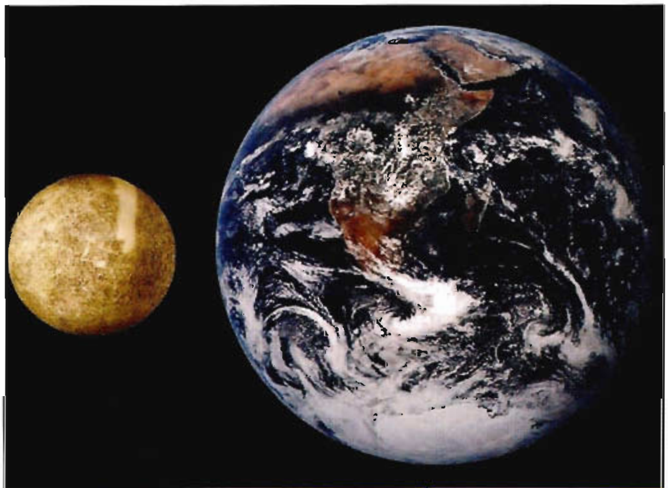

ہماری زمین (دائیں) اور مرکری (عطارد) ایک نظر میں

اب واپس عُطارِد کی طرف آتے ہیں۔ باقی سبھی سیاروں کی طرح عُطارِد بھی سورج کے گرد گھومتا ہے اور 88 دن میں اس کا ایک چکر پورا ہوتا ہے جب کہ زمین ایک چکر لگانے 365 لیتی ہے۔ عُطارِد کی اسی تیز رفتار کے سبب سے اسے رومن دیوتاؤں کے پیغام رساں مرکری کا نام دیا گیا ہے جسے یونان والے ہرمیس Hermes کہتے تھے اور جسے تصویروں میں ٹوپی یا بازوؤں میں پر لگائے ہوئے دکھایا جاتا تھا۔ عُطارِد ایک چکر پورا کرنے کے لیے 5 کروڑ 80 لاکھ کلومیٹر کا فاصلہ ایک سیکنڈ میں 48 کلومیٹر یا 107372 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے طے کرتا ہے۔ دوسرے سیاروں اور زمین کے برعکس عطارد اپنی دھُری پر ایک چکر گھومنے میں 59 دن لگاتا ہے۔ یعنی اس کا ایک سال ڈیڑھ دن سے کم عرصے میں پورا ہو جاتا ہے۔ اس دوران اس کا جو حصہ سورج کے سامنے رہتا ہے وہاں درجہ حرارت تقریباً 400 ڈگری

سیلسیس ہو جاتا ہے۔اس کا مقابلہ تم ہندوستان کے درجہ حرارت سے کر سکتے ہو جو گرمیوں میں بھی 50 ڈگری سے اوپر نہیں جاتا۔اس کے الٹ جو حصہ عطارد کا سورج کے سامنے سے ہٹ جاتا ہے اس کا درجہ حرارت بڑی تیزی سے منفی 200-ڈگری تک نیچے چلا جاتا ہے۔اس تیزی کی وجہ یہ ہے کہ مرکری کا اپنا کوئی ماحول نہیں ہے۔یعنی اس پر کوئی ہوا یا گیس نہیں پائی جاتی۔ یہ ایک چھوٹا سا سیارہ ہے اور اس کا قطر Diameter صرف 4990 کلومیٹر ہے جب کہ ہماری زمین کا قطر اس کے دوگنے سے زیادہ 12760 کلومیٹر ہے۔زمین سے عطارد 9 کروڑ 20 لاکھ کلومیٹر دور ہے۔مرکری کا اپنا کوئی چاند یا ذیلی سیارہ نہیں ہے جو اس کے گرد گھومتا ہو۔اس کی پوری زمین گڈھوں سے بھری ہے اور پوری طرح خشک ہے۔

امریکی خلائی ایجنسی ناسا کے خلائی جہاز میرینز 10 نے دومرتبہ پاس سے گزرتے وقت 1974 اور 1975 میں اس کی بہت صاف تصویریں اتاری تھیں۔مارچ 2011 میں ناسا کا خلائی جہاز میسینجر عطارد کے مدار یعنی کشش کے دائرے میں داخل ہوا اور مسلسل اس کے مدار میں رہ کر سورج کے گرد گھوم رہا ہے۔یعنی مصنوعی ہی سہی، مرکری کو آخر کار ایک چاند تو مل ہی گیا ہے۔مرکری ان سیاروں شامل ہے جسے زمین سے بغیر دوربین کے بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ شام کو سورج غروب ہونے کے فوراً بعد مغرب میں نیچے کی طرف، اور صبح کو طلوع آفتاب سے پہلے مشرق میں! باتیں تو اور بھی بہت سی ہیں مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ جمائیاں لینے لگے ہیں اس لیے فی الحال اتنا ہی!

افلاطون: اوفوہ، جواب تھا یا شیطان کی آنت۔ اب صرف ایک ہی سوال کی جگہ بچی ہے۔گاچی باؤلی حیدرآباد سے فیروز عالم کا سوال ہے کہ کیا آپ بتا سکتے ہیں شارک مچھلی کے جسم میں کتنی ہڈیاں ہوتی ہیں؟

ڈاکٹر بقراط :ہاں۔

افلاطون: واہ، یہ بھی کوئی جواب ہوا؟

ڈاکٹر بقراط : کیوں نہیں۔آپ نے پوچھا کیا میں بتا سکتا ہوں، جواب ہے جی ہاں۔ویسے بھی آپ پورے جواب پر جمائیاں لینے لگتے ہیں۔

افلاطون: اوہ، چلیے بتا ہی دیجیے، شارک کے جسم میں کتنی ہڈیاں ہوتی ہیں؟

ڈاکٹر بقراط : جی نہیں، شارک کے جسم میں کوئی ہڈی نہیں ہوتی۔

افلاطون: مگر یہ تو بہت مختصر جواب ہوگیا شارک صاحب...اررر میرا مطلب ہے ڈاکٹر صاحب! یقین کیجیے اب میں جمائی نہیں لوں گا۔

ڈاکٹر بقراط : تو اور سن لیجیے۔شارک کے جسم کا ڈھانچہ Cartilage کا بنا ہوتا ہے۔یعنی وہ لچک دار کچی ہڈی جس سے قدرت نے ہمارا کان بنایا ہے۔شارک کے جسم پر بلیڈ جیسی دھار والے دانت ہوتے

ہیں۔ یہ کتے کی طرح بھونکتی ہے۔اس کی کھال کے جوتے ، عام چمڑے کے جوتوں کی بہ نسبت چار گنا زیادہ چلتے ہیں۔شارک کے سونگھنے کی قوت اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ اسے تیرتی ہوئی ناک بھی کہا جا سکتا ہے۔اس کے باوجود شارک کے جسم کی چیر پھاڑ کے بعد اس کے پیٹ سے کیلیں، شراب کی بوتلیں، تجوریاں، کوٹ، فوجی وردی، اور تارپیڈو تک نکل چکے ہیں۔بس یا اور کچھ؟

افلاطون: میرا خیال ہے ایک شارک کے پیٹ سے اتنا سامان کافی ہے! اب آخری سوال میرا ہے۔کئی شہروں میں صدر بازار پائے جاتے ہیں۔مگر نائب صدر بازار کہیں نہیں ملتا۔ایسا کیوں؟

ڈاکٹر بقراط : پتہ نہیں۔

افلاطون: شکریہ، میرا اپنا بھی یہی خیال ہے۔■■

شبنم پروین

عقل کا کھیل: شطرنج

پیارے دوستو، آج آپ ایک ایسے کھیل کے بارے میں پڑھیں گے جس میں جسمانی طاقت کا نہیں بلکہ صرف دماغی طاقت کا اور حاضر دماغی کا استعمال ہوتا ہے۔ یہ ایک بورڈ گیم ہے اور اسے چونسٹھ سیاہ سفید خانوں والے چوکور بورڈ پر بتیس 32 مہروں کی مدد سے کھیلا جاتا ہے۔

شطرنج بہت پرانا کھیل ہے اور آپ کو یہ جان کر اچھا لگے گا کہ یہ کھیل دنیا کو ہمارے پیارے ملک ہندوستان کی دین ہے۔ یہی نہیں عالمی شطرنج میں آج ہمارے کھلاڑیوں کو بھی کافی اونچا مقام حاصل ہے۔ اس کی تاریخ تقریباً ڈیڑھ ہزار سال پرانی ہے۔ چھٹی صدی عیسوی سے بھی پہلے سے یہ ہندوستان میں کھیلا جاتا تھا اور اس کا نام 'چترنگ' یعنی چتر چالاک لوگوں کا کھیل تھا۔ ہندوستان سے یہ کھیل ایران تک پہنچا اور جب عربوں نے ایران کو فتح کیا تو اسلامی ملکوں میں بھی کھیلا جانے لگا۔ عربی و فارسی زبانوں کے اثر سے اس کا نام شطرنج پڑ گیا مگر دنیا میں آج اسے اس کے انگریزی نام چیس Chess سے ہی جانا جاتا ہے۔ یہ لفظ بھی غالباً فارسی کے لفظ شہ سے بنا ہے جس کا مطلب ہے بادشاہ۔

شطرنج دو کھلاڑیوں کا کھیل ہے۔ ہر کھلاڑی کے 16 مہرے ہوتے ہیں۔ لیکن ایک کھلاڑی کے مہرے سفید اور دوسرے کے سیاہ ہوتے ہیں۔ یہ مہرے آمنے سامنے آٹھ آٹھ مہروں کی دو قطاروں میں چیس بورڈ کے خانوں کے اوپر اس طرح رکھے جاتے ہیں کہ ہر خانے میں صرف ایک مہرہ ہوتا ہے۔ ان مہروں کے نام بھی الگ الگ ہوتے ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے۔ دو عدد رخ، دو فیل، دو اسپ یا گھوڑے، ایک وزیر، ایک بادشاہ اور ان سب کے آگے آٹھ پیادے یا پیدل سپاہی۔ انگریزی میں ان کے نام مختلف ہوتے ہیں۔ اس زبان میں بادشاہ کو تو کنگ King ہی کہا جاتا ہے لیکن وزیر یا فرزیں کو کوئین Queen یا ملکہ، رخ کو Rook، فیل یا ہاتھی کو بشپ Bishop، اسپ یا گھوڑے کو نائٹ Knight اور پیادوں کو Pawns یا پان کہا جاتا ہے۔

ہر مہرے کو آگے بڑھانے یا پیچھے ہٹانے کے ضابطے الگ الگ ہیں۔ رخ، دائیں بائیں اور آگے پیچھے خالی خانوں میں کہیں تک بھی لے جایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح فیل آڑی ترچھی سمتوں میں کسی بھی خانے تک وار کر سکتا ہے بشرطیکہ بیچ میں کوئی اور مہرہ راہ نہ روک رہا

وشوناتھن آنند

ہو۔ اسپ یا نائٹ کی چالیں الگ الگ ہیں۔ کچھ مقابلوں میں یہ ڈھائی گھر چلتا ہے۔ یعنی جس خانے میں رکھا ہوا ہے اس کے دائیں بائیں یا آگے پیچھے ایک خانہ اور آگے بڑھ کر اس دوسرے خانے کے کونوں والے خانوں تک چھلانگ کر وار کرسکتا ہے۔ یہ ڈھائی گھر کی چال ہے۔ بعض مقابلوں میں ساڑھے تین گھر کی بھی چال ہوتی ہے۔ اسپ یعنی گھوڑا شطرنج کا واحد مہرہ ہے جو کسی ایک مہرے کو پھلانگ کر بھی آگے پیچھے جاسکتا ہے۔

شطرنج کا سب سے طاقت ور مہرہ فرزین یا ملکہ Queen کا ہے۔ یہ دائیں بائیں، آگے پیچھے اور آڑا ترچھا ہر سمت میں جاسکتا ہے اور کتنے ہی خانے چل سکتا ہے بشرطیکہ کوئی مہرہ راستے میں نہ آتا ہو۔

بادشاہ کہنے کو تو بادشاہ ہوتا ہے لیکن اس کی طاقت دوسروں سے کافی کم ہوتی ہے۔ یہ اپنی زندگی میں صرف ایک مرتبہ ڈھائی گھر چل سکتا ہے۔ باقی کھیل میں اسے ہر طرف صرف ایک خانہ بڑھنے کی اجازت ہوتی۔

ہمپی کونیرو

پیادے یا پان کی چال بھی صرف ایک قدم کی ہوتی ہے لیکن یہ صرف آگے بڑھ سکتا ہے اور ایک بار آگے بڑھنے کے بعد پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔ پیادے کا دل چسپ ضابطہ یہ ہے کہ وہ صرف ترچھا وار کرسکتا ہے۔ یعنی اپنے خانے کے دونوں کونے والے کسی خانے میں رکھے ہوئے مہرے کو پیٹ سکتا ہے۔ کھیل کے دوران بادشاہ کو چھوڑ کر باقی جو بھی مہرہ پٹ چکا ہو اس کی، کھیل شروع ہونے سے پہلے والی مقررہ جگہ پر پیادہ صحیح سلامت پہنچ جائے تو وہ مہرہ زندہ ہوجاتا۔ پھر چاہے وہ فرزیں ہی کیوں نہ ہو۔

اس طرح یہ پورا کھیل دراصل میدانِ جنگ کا نقشہ پیش کرتا ہے، جس میں دو بادشاہوں کی فوجیں ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوتی ہیں۔ کھلاڑیوں کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ مخالف کے زیادہ سے زیادہ مہرے پیٹ

شطرنج کے مہرے دائیں سے، پیادہ، رخ، اسپ، فیل، فرزیں اور بادشاہ

دیں، اور آخر میں بادشاہ پر اس طرح وار کریں کہ اس کے بچنے کا کوئی خانہ باقی نہ رہے۔ اس وار کو شہہ اور بادشاہ کی ہار کو مات کہتے ہیں۔ انگریزی لفظ Checkmate ان ہی آوازوں سے بنا ہے۔ بادشاہ کی مات کے ساتھ کھیل ختم ہو جاتا ہے۔

دنیا بھر میں شطرنج کے کھیل کو کنٹرول کرنے والے ادارے کا نام فیڈریشن انٹر نیشنل ڈی ایچیکس Fédération Internationale des Échecs یا World Chess Federation ہے جسے FIDE کے مختصر نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ یہ فیڈریشن 20 جولائی 1924 میں قائم کی گئی تھی اور اس کا صدر دفتر فرانس کی راجدھانی پیرس میں ہے۔ یہی فیڈریشن شطرنج کے عالمی مقابلے کراتی ہے اور کھلاڑیوں کو عالمی درجے کا گرینڈ ماسٹر خطاب دیتی ہے۔ ورلڈ چیمپین کو چھوڑ دیں تو گرینڈ ماسٹر شطرنج کے کھلاڑی کا سب سے بڑا اعزاز ہوتا ہے۔ ہندوستان کے جن کھلاڑیوں نے یہ خطاب حاصل کیا ہے ان میں وشوناتھن آنند، ہمپی کونیرو، سبرامنیم ارون پرساد، تے جس با کرے، دبییندر روبروا، چکرورتی دیپین، پینڈیالا ہری کرشنا، ابھی جیت گپتے، داس نیلوتپل، پریمار جن نیگی، ماگیش چنچ ناتھن، رام چندرن رمیش، چندا سندیپن اور کدامبی سندرراجن کے نام آتے ہیں۔

گیری کیسپاروف

جہاں تک ورلڈ چیمپین شپ کا تعلق ہے تو اس میں کوئی بھی مرد عورت حصہ لے سکتا ہے جس کے لیے عمر کی بھی کوئی قید نہیں ہے۔ شطرنج کے موجودہ عالمی چیمپین ہندوستان کے وشو ناتھن آنند ہیں جنھیں 2007 سے اب تک کوئی نہیں ہرا پایا ہے۔ FIDE عالمی رینکنگ یا درجہ بندی کے لیے کھلاڑیوں کو جو پوائنٹ دیتی ہے ان میں 2800 کے نشانے کو اب تک صرف چھ کھلاڑی توڑ پائے ہیں اور وشوناتھن آنند ان میں سے ایک ہیں۔

ان کے علاوہ سابق سوویت یونین اور موجودہ باکو (آذر بائیجان) کے گیری کیسپاروف وہ کھلاڑی ہیں جنھیں دنیا کبھی نہیں بھول پائے گی۔ انھوں نے 22 سال کی عمر میں پہلی مرتبہ 1985 میں عالمی چیمپین شپ جیتی تھی اور سب سے کم عمر کے عالمی چیمپین بننے کا اعزاز پایا تھا۔ ولادیمیر کریمنک، ویسیلین تپیلوف، بورس گیلفینڈ، پونوماریوف، قاسم ژینوف، خلیف مین، کیپا بلانکا اور بوت ونیک بھی دنیا کے عظیم کھلاڑیوں میں شامل ہیں جو ورلڈ چیمپئن رہ چکے ہیں۔

شطرنج ایک زبردست دماغی کھیل ہے جو پورے کا پورا منطق کی بنیاد پر کھیلا جاتا ہے۔ چنانچہ کمپیوٹر پر بھی یہ کھیل کھیلا جاتا ہے اور کمپیوٹر اور انسان کے شطرنج مقابلے بھی ہوتے ہیں۔ 1968 میں انٹرنیشنل ماسٹر ڈیوڈ لیوی نے یہ شرط لگائی تھی کہ اگلے دس سال تک اسے دنیا کا کوئی کمپیوٹر نہیں ہرا پائے گا۔ اس نے یہ شرط جیت لی اور واقعی کوئی کمپیوٹر اسے 1978 تک نہیں ہرا سکا۔ لیکن بعد میں ایسے کمپیوٹر پروگرام ڈیولپ کر لیے گئے جنھیں ہرانا انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ خود گیری کیسپاروف بھی 1995 میں کمپیوٹر سے ہار گئے تھے۔ وہ دنیا کے پہلے عالمی شطرنج چیمپین تھے جو کمپیوٹر پر فتح نہیں حاصل کر سکے۔ وشوناتھن آنند بھی کمپیوٹر سے ہار چکے ہیں۔ ■■

شبنم پروین C280 شاہین باغ جامعہ نگر نئی دہلی 110025

یہ مزے مزے کی حکائتیں...

کیا آپ کے پاس موبائل فون ہے؟ اگر ہاں تو اس پر اپنے دوستوں اور ممی ڈیڈی کو ایس ایم ایس SMS یعنی شارٹ میسج / میسجنگ Short Message/Messaging Service سے پیغام بھی ضرور بھیجتے ہوں گے۔ یہ لفظ SMS ہے تو دراصل ایک سروس لیکن اس کا استعمال اتنا بڑھ گیا ہے اب اسے موبائل پر بھیجے گئے پیغام کا ہم معنی سمجھا جانے لگا۔ خیر ہمیں نام سے کیا، ہمیں تو پیغام سے کام ہے۔ آپ کی طرح ہمیں بھی دوستوں کے ایس ایم ایس ملتے ہیں، اور وہ ایس ایم ایس ہمیں بہت ہی اچھے لگتے ہیں جن میں چٹکلے اور دوسری مزے دار باتیں لکھی گئی ہو۔ ان صفحات پر ہم نے آپ کی دل چسپی کے لیے ایسے ہی مزے دار اردو ایس ایم ایس یہاں وہاں سے اکٹھے کئے ہیں۔ آپ چاہیں تو خود بھی ہمیں ایس ایم ایس کر سکتے ہیں۔ بس تو یاد کیجیے کوئی اچھی سی بات یا لطیفہ، اور اس نمبر پر ہمیں بھیج دیجیے۔ نمبر ہے: 9716145593
آپ کا میسج مزے دار ہوا تو ہم اسے ان صفحات کا حصہ بنالیں گے۔ لیکن اپنا اور شہر کا نام لکھنا ہرگز نہ بھولیے! مدیر

ایک آدمی نے دوزخ میں شیطان سے کہا۔
''کیا میں آپ کے موبائل سے اپنی بیوی کو کال کر سکتا ہوں؟''
شیطان نے اسے موبائل دے دیا۔
کال کرنے بعد آدمی نے پوچھا، ''کال کے کتنے پیسے دوں؟''
شیطان بولا، ''نو چارج! دوزخ سے دوزخ کال فری ہے۔''

ایک آدمی نے زندگی سے تنگ آ کر کہا، ''اس زندگی سے تو موت اچھی۔''
فوراً موت کا فرشتہ وہاں آیا اور بولا، ''چلو، تمھاری دعا قبول ہوئی۔ میں تمھیں لینے آیا ہوں!''
آدمی نے فوراً کہا، ''لو، اب انسان مذاق بھی نہیں کر کتا۔''

ٹیچر: تم لیٹ کیوں ہوئے؟
طالب علم: امّی ابّو لڑ رہے تھے...
ٹیچر: وہ لڑ رہے تھے تو تمھیں کیوں دیر ہوئی؟
طالب علم: میرا ایک جوتا امّی کے ہاتھ میں تھا دوسرا ابّو کے ہاتھ میں!

دادا اور دادی نے اپنی جوانی کے دنوں کو پھر سے یاد کرنے اور ان دنوں کو دوہرانے کی سوچی۔ انہوں نے طے کیا کہ ایک دن وہ دوبارہ اسی طرح ندی کے کنارے ملیں گے جس طرح پہلی بار ملے تھے۔ اس روز دادا جلدی اٹھ کر تیار ہوئے، ہاتھوں میں پھول لیے اور صبح سے ہی ندی کنارے جا کر بیٹھ گئے۔ لیکن دادی

نہیں آئیں۔ غصے میں دادا گھر آئے اور سارے پھول پھینک کر بولے، ''آئیں کیوں نہیں!''

دادی نے شرماتے ہوئے کہا، ''امّی نے جانے نہیں دیا!'

مالک: ابھی تک تجھ سے مچھر نہیں مرے؟ اب بھی میرے کانوں پر آ آ کر گا رہے ہیں!

نوکر: صاحب! میں نے سارے مچھر مار دیے ہیں۔ یہ تو اصل میں ان کی بیویاں ہیں جو بیوہ ہونے پر رو رہی ہیں!

اللہ اور ڈاکٹر کو کبھی ناراض نہ کرنا۔ اللہ ناراض ہوتا ہے تو ڈاکٹر کے پاس بھیج دیتا ہے اور ڈاکٹر ناراض ہوتا ہے تو اللہ کے پاس بھیج دیتا ہے!

ڈاکٹر: بچّے کو پانی پلانے سے پہلے اچھی طرح ابال لیا کریں!

ماں: لیکن ڈاکٹر صاحب، ابالنے سے بچّہ مر تو نہیں جائے گا؟

نقلچی کا فلسفہ:

ٹیچر کی چیخ پکار آپ کو تکلیف نہیں پہنچا سکتی لیکن دوست کی ذرا سی خاموشی امتحان گاہ میں آپ کی آنکھوں میں آنسو لے آتی ہے۔

ایک طالب علم نے ایم بی اے کا فارم بھرتے ہوئے یونی ورسٹی کے گیٹ پر تعینات چوکیدار سے پوچھا، ''یہ یونی ورسٹی کیسی ہے؟''

چوکیدار بولا: ''بہت اچھی یونی ورسٹی ہے۔ میں نے بھی یہیں سے ایم بی اے کیا تھا۔''

ٹیچر: بیٹا تمھارے ابّو کیا کرتے ہیں؟

بچہ: جو امّی کہتی ہیں!

ٹیچر: زمانۂ ماضی past tense کے اس جملے کو زمانۂ مستقبل Future tense میں تبدیل کرو۔ ''میں نے ایک آدمی کو مار ڈالا۔''

طالب علم: اس کا فیوچر ٹینس ہے، ''تمھیں جیل ہو جائے گی۔''

کام چور طالب علم کا فلسفہ:

زندگی اتنی چھوٹی ہے کہ اس میں آدمی کی نیند بھی پوری نہیں ہو پاتی۔ پتہ نہیں لوگ لکھنے پڑھنے کے لیے کہاں سے وقت نکال لیتے ہیں۔

ایک بچّہ کھیت میں آلو نکالنے میں اپنے دادا کی مدد کر رہا تھا۔ بہت تھک گیا تو بولا: ''آخر آپ نے یہ سب زمین میں دبائے ہی کیوں تھے؟''

باپ: تم نے امتحان میں کیا لکھا؟

بیٹا: انھوں نے وہ سوال پوچھے تھے جو میں نہیں جانتا۔ اس لیے میں نے وہ جواب لکھ دیے جو وہ نہیں سمجھ پائیں گے۔

سوال: وہ کون سی ایک بات ہے جو طالب علم ہزاروں سال پہلے بھی کہتے تھے، آج بھی کہتے ہیں اور قیامت تک کہتے رہیں گے۔

جواب: بس یار، کل سے پڑھائی شروع کروں گا!

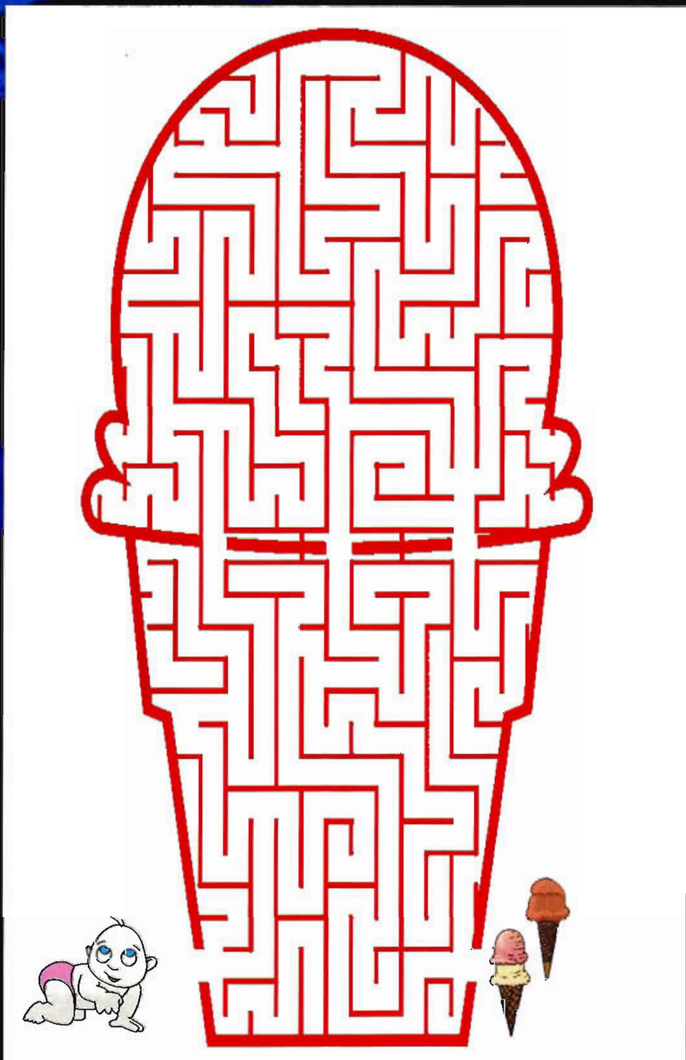

ذہنی آزمائش

غور سے دیکھیے، ہاتھی کے سائے میں اور کتنے جانور ہیں

اوفوہ! آئس کریم دوسری طرف ہے اور منا ادھر۔ جلدی سے راستہ بتایئے کہیں آئس کریم پگھل نہ جائے

نام ڈھونڈیے:

اردو کے کچھ مشہور شاعروں کے نام جن حروف سے بنے ہیں وہ ہم سے بکھر گئے ہیں۔ کیا آپ ان ناموں کو ڈھونڈ سکتے ہیں؟ جواب یہیں موجود ہیں

1۔ب غ ل م اراز 2۔ر م ی س ن ا ی 3۔ق ت ر ی م ر ی م ی 4۔ل ل ل م ا ہ ع ا ب ق

5۔س ر و ی ح ہ ت ا ن م 6۔غ ل د د ا و ہ ی 7۔ض ض ا ف ف ح ے ے د م 8۔م ز ا ج

9۔ب ب ن ا ا آ ر ر ک ی ی ن ظ د 10۔آ ب ج ح ش و م ل ی ی د 11۔ی ا ر ر ہ ش

جواب: 1۔مرزا غالب 2۔میر انیس 3۔میر تقی میر 4۔علامہ اقبال 5۔حسرت موہانی 6۔داغ دہلوی 7۔فیض احمد فیض 8۔مجاز 9۔نظیر اکبر آبادی 10۔جوش ملیح آبادی 11۔شہریار

اردو Facebook

پیارے دوستو ، یہ اردو فیس بک یوں تو سب اردو والوں کی ہے لیکن خاص طور پریہ آپ کے لیے شروع کی گئی ہے۔ جو کچھ آپ اپنے آس پاس اچھا یابرا دیکھتے ہیں، کسی سے کچھ کہنا چاہتے ہیں، کسی سے کوئی دل چسپ بات سنتے ہیں، کوئی لطیفہ یا کوئی معلوماتی بات پڑھتے ہیں ، یا پھر آپ کے گھر میں کوئی دل چسپ واقعہ ہوتا ہے تو اسے ہمارے ساتھ شیئر Share کیجیے۔ہم اسے آپ کی تصویر کے ساتھ چھاپ دیں گے تاکہ دوسرے بھی آپ کی باتوں کا مزا لے سکیں۔ اچھا یہ ہوگا کہ آپ اپنی بات خود اپنے ہاتھ سے لکھیں۔املے یا جملے کی غلطی سے نہ گھبرائیں ، ہم اسے ٹھیک کر کے ہی چھاپیں گے۔ تو پھر دیر کس بات کی ہے اٹھائیے قلم اور لکھ ڈالیے اپنے دل کی باتیں !اپنے خط کو اسکینScanیا کمپوز کر کے اپنی تازہ ترین تصویر کے ساتھ آپ ہمیں ای میل یا ڈاک سے بھیج سکتے ہیں۔ مدیر

گھر پر اردو پڑھ رہی ہوں

میں ثنا خان کرناٹک کے شہر ہبلی میں کے ایل ای سوسائٹی کے اسکول میں پڑھتی ہوں اور اردو اپنے گھر پر پڑھ رہی ہوں۔ بچوں کی دنیا کے بارے میں مَیں نے سنا ہے اور اس کے پہلے شمارے کا انتظار کر رہی ہوں۔ میں اس کی سالانہ خریدار بننا چاہتی ہوں۔

معرفت جناب جاوید راہی جنرل مینیجر کرلوسکر انڈیا

اردو سے بہت انسیت ہے

میں ہانیہ ظہیر دہلی کے اینگلو عربک مسلم گرلز اسکول کی گیارہویں جماعت کی طالبہ ہوں اور میں نے اسی سال دسویں جماعت فرسٹ ڈویژن سے پاس کی ہے، چونکہ ہمارے گھر میں بھی اردو رچی بسی ہوئی ہے اور اسکول میں بھی ہم بذریعہ اردو ہی تعلیم حاصل کر رہے ہیں اس لیے اردو سے بہت ہی انسیت ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کہ یہ میری اپنی ہی زبان ہے۔'اردو دنیا' تو ہمارے یہاں کافی عرصے سے آہی رہا ہے مگر

جب بچوں کی دنیا کے بارے میں سنا تو بے حد خوشی ہوئی چونکہ جب اردو کونسل کا رسالہ 'اردو دنیا' ہی اتنا بہترین ہے تو بے شک 'بچوں کی دنیا' بھی بے حد دلچسپ ہوگا۔ میں نے تو اپنے اسکول میں اپنی اساتذہ اور اپنی دوستوں سے بھی اس رسالہ کے بارے میں تذکرہ کر دیا ہے اور اب ہم سبھی کو 'بچوں کی دنیا' کا بڑی بے صبری سے انتظار ہے۔

کلاس xi اینگلو عربک مسلم گرلز اسکول، بلیماران، دہلی۔ 110006

اردو بہت اچھی لگتی ہے

میں عبداللہ احسان جامعہ سینئر سیکنڈری میں انگریزی میڈیم سے پڑھتا ہوں لیکن میرے نمبر اردو میں بھی اچھے آتے ہیں۔ مجھے اردو زبان بہت اچھی لگتی ہے۔ اردو میں جو کہانیاں بچوں کے لیے چھپتی ہیں، میں خوب پڑھتا ہوں۔ یہ خوبصورت رسالہ 'بچوں کی دنیا' ہم بچوں کے لیے تو تحفہ ہے۔ خدا کرے کہ یہ خوبصورت رسالہ نکلتا رہے اور ہم اس سے کچھ سیکھتے رہیں۔ میں کوئی کہانی بھیجوں گا، کیا آپ چھاپیں گے؟

A-24، جوگائی ایکسٹینشن، نئی دہلی 110025

پہلے بھیجیں تو سہی!

بچّوں کا اردو فیس بک، واہ! واہ!

میں ہرشیتا آپ سے مخاطب ہوں۔ بچوں کی دنیا کا پہلا شمارہ دیکھا آپ نے تو ہم بچوں کے لیے بڑا کام کیا ہے۔ ایسا رسالہ تو کوئی دوسرا ہے ہی نہیں۔ اتنی اچھی اچھی تصویریں، چڑیا گھر کی سیر اور بچوں کا فیس بک۔ واہ واہ۔ میں نے بچوں کی دنیا کو اپنے دل میں بسا لیا ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ مستقبل میں بچوں کی دنیا اور خوبصورت ہو جائے گا۔

A/52-8، گیتا کالونی، دہلی

مجھے اردو ممی نے سکھائی ہے

میں ترنم پروین، اسلامیہ کالج سہارنپور میں بی اے تھرڈ ائیر میں پڑھ رہی ہوں اور انگریزی کے ساتھ اردو بھی بطور سبجیکٹ لی ہے۔ میرے پاپا اردو کے ایک بڑے ادیب ہیں اور اب اچھی طرح اردو پڑھنا لکھنا سیکھنے کے بعد میں روزنامہ راشٹریہ سہارا میں ان کا مشہور ہفتہ وار کالم 'نمی دانم' باقاعدگی سے پڑھنے لگی ہوں۔ دراصل ہم چاروں بہنوں نے ذرا دیر سے اردو لکھنا پڑھنا سیکھا ہے۔ اردو سکھانے میں میری ممی کا بڑا ہاتھ ہے جنھوں نے بڑی تاکید اور محنت سے ہم بہنوں کو اردو سکھائی۔ بڑی باجی روشن آرا، باجی ثمینہ اور شبنم باجی میری بڑی بہنیں ہیں اور میں سب میں چھوٹی ہوں۔ اردو زبان سے ہمیں بڑی محبت ہے اور ہمارے پاپا اکثر کہتے ہیں کہ ہم سب کی پرورش اردو نے ہی کی ہے اور یہ کہتے ہوئے اکثر جذباتی ہو جاتے ہیں۔ اتفاق سے میں اسی اسلامیہ کالج میں پڑھ رہی ہوں جس میں پاپا اس وقت پڑھتے تھے جب یہ انٹر کالج تھا اور اب ڈگری کالج ہو گیا ہے۔ پروفیسر اختر علی جو پاپا کے انگریزی میں استاد تھے اب ہمیں بھی پڑھاتے ہیں۔ ہمارے دادا محترم حاجی عبدالعزیز قادری، اردو اور فارسی کے عالم ہیں اور نعتیہ شاعری کرتے ہیں۔ ان کی عمر 84 برس ہے۔ ایک مجموعہ 'توفیقِ ثنا' کے نام سے چھپ چکا ہے، جس کا اجرا جناب پروفیسر اختر الواسع نے سہارنپور تشریف لا کر کیا تھا۔ حال ہی میں پروفیسر صاحب کو پدم شری کا خطاب ملنے پر مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ اور ہاں پاپا کی بھی کئی کتابیں چھپی ہیں۔ ہمیں اپنے دادا اور پاپا پر اور ممی پر فخر ہے اور دعا کرتے ہیں کہ خدا انھیں لمبی عمر دے۔ آمین۔

اسلامیہ ڈگری کالج سہارنپور

اردو میڈیم اسکول سے تعلیم حاصل کی ہے

میں صبا نگار قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کو بچوں کے لیے میگزین شروع کرنے پر دل کی گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتی ہوں۔ میں نے شروع سے اب تک اردو میڈیم سے ہی تعلیم حاصل کی ہے۔ میرے گھر میں اردو کی بہت ساری کتابیں ہیں۔ اردو کے بہت سے رسالے ابو خرید کر لاتے ہیں لیکن بچوں کے لیے رسالے بھی کم ہیں، وہی لے دے کے دہلی اردو اکادمی کا 'امنگ' اور مکتبہ جامعہ کا 'پیامِ تعلیم'۔ دیکھتے ہیں 'بچّوں کی دنیا' کیسا رسالہ ہے۔

کلاس 12، جامعہ سینئر سکنڈری اسکول

اچھی شاعری کے نمونے بھی چھاپیے

میں سعد اللہ احسان جامعہ معین الاسلام ذاکر نگر میں حفظ کر رہا ہوں۔ کہانیاں پڑھنا اور بچوں کی نظمیں اچھی لگتی ہیں۔ میں نے دو سال پہلے ایک کہانی لکھی تھی، جو کہیں نہیں چھپی۔ اب آپ کو بھیجوں گا، اگر پسند آئے تو چھاپ دیجیے گا۔ یہ رسالہ بہت اچھا ہے۔ اسے بندمت کیجیے ہمیشہ نکالتے رہیے تاکہ بچوں کو اچھی اچھی کہانیاں پڑھنے کا موقع ملے۔ اچھی شاعری کے نمونے بھی چھاپیے تاکہ یاد کر کے کسی کو سنا سکوں۔ خدا اس رسالے کو ہمیشہ زندہ رکھے، آمین!

جامعہ معین الاسلام، گلی نمبر 7، ذاکر نگر، نئی دہلی 110025

لڑکیوں کی تعلیم کے لیے اپنی جان پر کھیل جانے والی بچّی

ملالہ اقوام متحدہ میں!

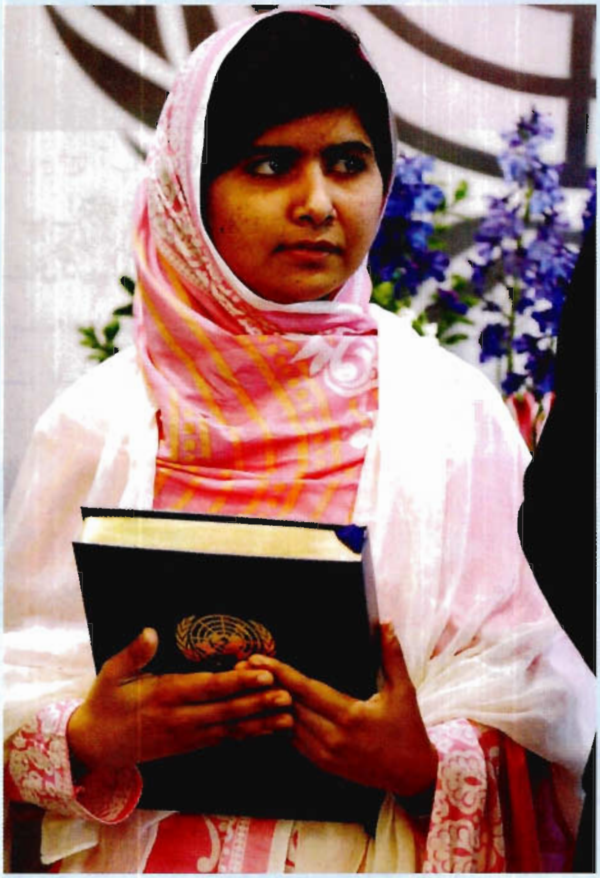

12 جولائی 2013 کے دن کو دنیا کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ اس روز ملالہ یوسف زئی کی عمر سولہ سال ہوگئی اور اقوام متحدہ کی اپیل پر پوری دنیا میں اس دن کو ملالہ ڈے کے طور پر منایا گیا۔ ملالہ ہمارے پڑوسی ملک پاکستان کے صوبہ سَرحد کی رہنے والی ہے جو اِن دنوں بہت ہی خراب حالات سے گزر رہا ہے۔ اس کم سن لڑکی نے اپنے علاقے کی لڑکیوں کو تعلیم دلانے کے لیے مہم چھیڑی تھی جس سے خود کو طالبان کہنے والے وہ لوگ ناراض ہو گئے جو لڑکیوں کی تعلیم کو بہت برا سمجھتے ہیں۔ ان طالبانی دہشت گردوں نے ملالہ پر 9 اکتوبر 2012 کو اس وقت گولیاں چلا دی جب وہ اسکول جا رہی تھی۔ گولی اس کے سر میں اوپر بائیں طرف لگی، جس کے بعد اسے اسپتال لے جایا گیا۔ بعد میں انگلینڈ میں بھی اس کا علاج ہوا۔ علاج کے دوران ملالہ نے کہا کہ وہ لڑکیوں کی تعلیم کے جہاد کو جاری رکھے گی۔ پاکستان میں اور باقی دنیا میں بھی لوگوں نے ملالہ کے حوصلے کی تعریف کی۔ اسپتال سے چھٹی ملنے تک بہادر ملالہ کی کہانی پوری دنیا میں پھیل چکی تھی۔ تب اقوام متحدہ نے جو دنیا کے ملکوں کی سب سے بڑی تنظیم ہے، ملالہ کی سولہ ویں سالگرہ کو یوم ملالہ کے طور پر منانے کا فیصلہ کیا اور اس روز اسے اقوام متحدہ کی یوتھ اسمبلی سے خطاب کرنے کی دعوت دی جس میں 80 سے زیادہ ملکوں کے نمائندے شریک ہوئے۔ ملالہ نے وہاں انگریزی میں بہت ہی اثر انگیز تقریر کی۔ اس نے کہا:

ملالہ، اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل بان کی مون کے ساتھ

"ہم کتابیں اور قلم ہاتھ میں لیں گے۔ یہی ہمارے سب سے طاقت ور ہتھیار ہیں۔ ایک بچہ، ایک ٹیچر، ایک کتاب اور ایک قلم پوری دنیا کو بدل سکتے ہیں۔ تعلیم ہی ہر مشکل کا حل ہے۔ دہشت گردوں نے سوچا کہ وہ میرے مقصد کو بدل دیں گے۔ میری تمناؤں کو کچل دیں گے۔ لیکن میری زندگی میں کچھ نہیں بدلا، سوائے اس کے کہ: کمزوری، خوف اور ناامیدی نے دم توڑ دیا ہے اور اس کی جگہ طاقت، ہمت اور جوش کا جنم ہوا ہے..."

اس پر سب نے کھڑے ہو کر اور تالیاں بجا کر ملالہ کا استقبال کیا۔ 'بچوں کی دنیا' بھی اس بہادر لڑکی کو سلام کرتی ہے! ■■